فن اسماء الرجال
ائمہ حدیث کا عظیم الشان کارنامہ
حدیث پرکھنے کے اصول
سلسلہ اسناد
اسناد عالی
فن جرح و تعدیل
وضع حدیث
رواۃ
ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا

اور جو کچھ کہ دے تم کو رسول بس لے لو اس کو اور جو کچھ کہ منع کرے تم کو اس سے پس باز رہو

فنّ اسماء الرّجال

ائمہ حدیث کا عظیم الشان کارنامہ

(یعنی)

تاریخ رجال حدیث کی تدوین و تحقیق، کتب اسماء الرجال سے استفادہ کا طریقہ، اہم و مشہور کتب رجال پر تبصرہ و تعارف

مؤلفہ

مولانا تقی الدین صاحب ندوی مظاہری

پروفیسر حدیث جامعۃ الامارات (العین)

بانی و سرپرست

جامعہ اسلامیہ مظفر پور، قلندر پور، اعظم گڈھ، یوپی

نام کتاب ـــــ فن اسماء الرجال، ائمہ حدیث کا عظیم الشان کارنامہ
مؤلف ـــــ ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری
کتابت و ڈیزائن ـــــ نور الہدیٰ مظاہری اکبرپوری
باہتمام ـــــ حبیب الرحمن قاسمی استاذ جامعہ ہذا
سن طباعت بار دوم ـــــ ۲۰۰۰
تعداد ـــــ تین ہزار
ناشر ـــــ شعبۂ نشر و اشاعت جامعہ اسلامیہ مظفرپور اعظم گڑھ
قیمت ـــــ پچاس روپے

بلال آرٹ پریس (اپولو پرنٹرز) مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، پٹودی ہاؤس دریا گنج نئی دہلی ۲

ملنے کے پتے

(۱) جامعہ اسلامیہ مظفرپور قلندرپور اعظم گڑھ یوپی پن ۲۷۶۳۰۲
(۲) مکتبہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔
(۳) صدیقی کتاب گھر نزد چھتہ مسجد دار العلوم دیوبند
(۴) کتب خانہ عزیزیہ، بازار جامع مسجد دہلی

فہرست مضامین فنّ اسماءُ الرّجال

دوسرا ایڈیشن

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

اس ناچیز نے آج سے ۲۷ سال پہلے "فن اسماء الرجال" کے عنوان پر اردو میں ایک مختصر رسالہ تالیف کیا تھا، جو اہلِ علم میں بیحد مقبول ہوا، عرصہ سے یہ کتاب نایاب تھی، بعض اہل علم کا اس کی طباعت پر اصرار تھا، مگر یہ کام مؤخر ہوتا رہا۔

اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اس ناچیز نے عربی زبان میں "علم رجال الحدیث" کے عنوان پر مفصل کتاب لکھی ہے، جس کو اس موضوع کا ایک مختصر انسائیکلوپیڈیا قرار دیا گیا ہے، اور مختلف عرب ممالک کی یونیورسٹیوں میں مرجع کے اصول پر استعمال ہوتی ہے، تین مرتبہ طبع ہو چکی ہے، چوتھی مرتبہ طباعت کی تیاری ہو رہی ہے، آخری مرتبہ "مکتبۃ الایمان" مدینہ منورہ نے شائع کیا ہے۔

اس کتاب پر حضرت مولانا علی میاں ندوی مدظلہٗ کے علاوہ ڈاکٹر عبدالحلیم محمود شیخ الازہر اور شیخ احمد عبدالعزیز المبارک چیف جسٹس ابوظبی کے مقدمات بھی ہیں خیال تھا کہ اس کتاب کو اردو میں منتقل کر دیا جائے، لیکن اس کام کے لئے نہ وقت ہے نہ ہی ضرورت کہ یہ کتاب علماء وفضلاء کے لئے خاص ہے، ترجمہ کی ضرورت نہیں ہے، فن اسماء الرجال سے تعارف کے لئے یہ اردو رسالہ کافی ہے۔

اس لئے عزیزی مولوی حبیب الرحمٰن قاسمی کی زیرِ نگرانی "جامعہ اسلامیہ" مظفرپور کی طرف سے اس کو شائع کیا جا رہا ہے، اللہ تعالیٰ نافع ومقبول بنائے۔

وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ

تقی الدین ندوی

مقدمہ

از حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ

حکمتِ الٰہی کی یہ ایک عجیب کارفرمائی ہے کہ ایک نبیؐ امّی کو ایک ایسی امت عطا ہوئی جس نے علم کی خدمت و اشاعت ہی نہیں، اور علوم کی تکمیل و توسیع ہی نہیں بلکہ جدید علوم کی وضع و تدوین کا ایسا کارنامہ انجام دیا جس کی مثال گزشتہ تاریخ اور سابقہ امتوں میں نہیں مل سکتی، اس نے تصنیف و تالیف کے میدان میں ساری گزشتہ اقوام اور ملتوں کو پیچھے چھوڑ دیا، اور اتنا بڑا علمی ذخیرہ اور اتنا عظیم اور وسیع کتب خانہ اس کی محنتوں اور کاوشوں سے وجود میں آیا، جس کا سرسری جائزہ لینا بھی آسان نہیں، جس نبیؐ کو قرآن مجید میں "امّی" کے لقب سے کئی بار یاد کیا گیا اور جس کے متعلق یہ صراحت کی گئی :۔

وَمَا کُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِہٖ مِنْ کِتَابٍ وَّ لَا تَخُطُّہٗ بِیَمِیْنِکَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۔

(سورۂ عنکبوت ع ۵)

اور نہیں تھا تو پڑھتا پہلے اس سے کوئی کتاب اور نہ لکھتا تو اس کو اپنے داہنے ہاتھ سے اس وقت البتہ دھوکا کھاتے جھوٹے ۔

اس کو ایسی امت کا عطا ہونا جو اپنے علمی شغف و انہماک اور علم سے عشق اور اپنی بلند ہمتی اور خدمتِ علم میں اپنے ایثار اور قربانی میں بے نظیر ہو، محض اتفاقی امر نہیں بلکہ قدرتِ الٰہی کا ایک بڑا معجزہ اور ظاہر بین اور مادہ پرست انسانوں کے لئے ایک بڑا سبق اور انسانی تاریخ کے صفحات پر ایک روشن علامت استفہام ہے کہ ایسا کیوں اور کس طرح ہوا؟ عارف شیرازی نے صرف اتنا ہی کہا تھا کہ؛

یتیمے کہ نا کردہ قرآں درست
کتب خانۂ چند ملت بشست

لیکن یہ معجزانہ عمل صرف سلبی معجزہ نہ تھا اور اس کا دائرہ صرف قدیم ذخیرہ پر خطِ نسخ پھیر دینے میں محدود نہ تھا، بلکہ یہ ایک عظیم الشان تعمیری، ایجابی و احیائی معجزہ بھی تھا، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اس نے اتنے ذخیرہ کو جو اپنی زندگی اور بقا کی صلاحیت اور افادیت کو کھو چکا تھا، بے کار نہیں کیا، جتنا اس نے دنیا کو کار آمد، لازوال اور حیات بخش ذخیرہ عطا کیا۔ اس نے اگر چند ملتوں کے ان چند کتب خانوں پر پانی پھیر دیا جن کے نقوش نہ صرف یہ کہ اپنی آب و تاب کھو چکے تھے بلکہ دنیا کی غلط فہمی اور گمراہی کا ذریعہ بنے ہوئے تھے، تو اس نے اس کے مقابلے میں دنیا کو وہ کتب خانے عطا کئے، جو حقائق ابدی، علوم صحیحہ، اور ہدایت ربانی پر مشتمل تھے اور جو کسی زمانے میں خزاں رسیدہ اور از کار رفتہ نہیں ہو سکتے۔

ان علوم اسلامیہ کی فہرست بہت طویل ہے۔ جن کی وضع و تدوین کا سہرا اس امت کے سر ہے، اور جن کے ظہور میں آنے کا سبب و محرک قرآن مجید کا فہم اور تعلیماتِ نبوی کی حفاظت تھا۔

"علماء اسلام نے مختلف ملکوں اور عہدوں میں ان علوم کی تاریخ نشو و ارتقاء اور علماء اسلام کی تصنیفات کے تذکرہ اور تعارف میں ضخیم و مفصل کتابیں لکھی ہیں، جن میں دورِ اول کی "الفہرست لابن الندیم" اور دورِ متوسط کی "کشف الظنون" للچلپی بہت مشہور ہیں، جہاں تک ہمارے ملک ہندوستان کا تعلق ہے، مولانا حکیم سید عبد الحئی کی کتاب "معارف

العوارف فی انواع العلوم والمعارف" جیسے "الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند" کے نام سے دمشق کی سرکاری اکیڈمی "المجمع العلمی العربی" نے شائع کیا ہے، ایک نظر ڈال لینی کافی ہے، اس سے اندازہ ہو جائے گا کہ صرف ایک ملک میں مختلف اسلامی علوم پر علماءِ اسلام نے کتنا بڑا ذخیرہ یادگار چھوڑا ہے۔

جہاں تک علمی و فنی اصطلاحات کا تعلق ہے، اس سلسلہ میں بھی سب سے بڑا کام ہندوستان ہی میں انجام دیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں شیخ عبدالنبیؒ احمد نگری کی کتاب "دستور العلماء" اور قاضی محمد اعلیٰ تھانویؒ کی کتاب "کشاف اصطلاحات الفنون" کا نام لینا بالکل کافی ہے جو اس موضوع پر بلادِ عربیہ میں بھی سب سے بڑا مرجع اور مآخذ سمجھی جاتی ہیں، یوں تو تمام علوم علماءِ اسلام کی بلند ہمتی اور ذوقِ جستجو کے شاہد ہیں، لیکن بلاخوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ علماءِ اسلام نے اپنی سب سے بڑی ذہانت اور محنت جس علم پر صرف کی، اور جس میں انہوں نے اپنی ذہنی کاوش اور علمی موشگافیوں کا سب سے بڑا ثبوت دیا، وہ فنِ حدیث ہے،

کسی صاحبِ نظر کا مقولہ ہے کہ اسلامی علوم کی تین قسمیں ہیں، ایک قسم جو نیم پختہ رہی ایک قسم جو پختگی کے کمال کو پہونچ گئی اور ایک قسم جو اس سے بھی آگے بڑھ گئی اور گویا پختہ ہو کر بالکل کھری ہو گئی، اور ان کے الفاظ میں "نضج واحترق" اس تیسری قسم میں انہوں نے حدیث کو شمار کیا ہے، جو اپنے کمال و ارتقاء کے آخری منازل تک پہونچکر نشانہ کو پار کر گیا، اور اس میں اب کسی آدمی کے لئے کوئی بات پیدا کرنا اور عامیانہ الفاظ میں کوئی نئی کوڑی لانا تقریباً ناممکن ہو گیا، نہ صرف فنِ روایت اور متنِ حدیث بلکہ متعلقاتِ علمِ حدیث، اسماء الرجال، فنِ جرح و تعدیل، اصولِ حدیث اور عللِ حدیث میں محدثین اور نقادِ حدیث نے جو باریکیاں پیدا کی ہیں، جن موشگافیوں سے کام لیا ہے، جس ذہانت، نکتہ وری اور دیدہ ریزی کا ثبوت دیا ہے، اس کا کچھ اندازہ ان فنون کے محققین کی ضخیم تصنیفات اور دقیق بحثوں پر نظر ڈالنے ہی سے ہو سکتا ہے، جن میں اکثر مشہور اور مستند مصنفین کا نام پیشِ نظر کتاب میں آ گیا ہے اور جا بجا ان کے اقتباسات اور تحقیقات پیش کی گئی ہیں۔

قدرتی طور پر فن حدیث سے متعلق ساری کتابیں عربی میں تھیں، اور وہی عالم اسلام کی تصنیفی اور علمی زبان رہی ہے، اور ان کتابوں کا حلقہ بھی اہل فن اور اہل درس تک محدود رہا ہے، ہماری اُردو زبان جس میں دینیات کا بڑا ذخیرہ منتقل ہوگیا ہے اور جو اسلامی تصنیفات کے لحاظ سے عربی کے بعد مسلمانوں کی دوسری زبان کہی جا سکتی ہے، عرصہ ہوا اس نے فارسی کو بھی بہت پیچھے چھوڑ دیا۔ اس زبان میں زیادہ تر حدیث کے متون کے تراجم ہوئے حدیث کی تاریخ و تدوین یا محدثین کے سیر و تراجم پر کتابیں لکھی گئیں، لیکن رجال، فن جرح و تعدیل شرائطِ قبول حدیث، علل و اسقام حدیث، فن اسناد، مختلف ائمۂ حدیث کے معیار صحت و ضعف موضوعات وغیرہ پر بہت کم توجہ کی گئی، جس سے وہ اُردو داں حضرات یا ضعیف الاستعداد طلباءِ مدارس فائدہ اٹھا سکتے، جو کسی وجہ سے ان مآخذ سے براہ راست استفادہ نہیں کر سکتے۔

عزیز گرامی مولوی تقی الدین ندوی سلمہٗ تعلیم یافتہ طبقہ کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے پہلے "محدثین عظامؒ" کے نام سے ایک متوسط کتاب لکھی، جس میں محدثینؒ کرام کی شخصیتوں اور اجمالی طور پر ان کے علمی کارناموں کا تعارف ہوا، اب فن اسماء الرجال اور سنونِ حدیث پر وہ دوسری کتاب پیش کر رہے ہیں۔ جس میں اس فن کی معتمد کتابوں کا بڑا قابل قدر اور لائق استفادہ خلاصہ، ان کی تحقیقات کے نتائج آ گئے ہیں۔

عزیز موصوف نے دار العلوم ندوۃ العلماء اور مظاہر علوم میں رہ کر محنت و ذوق کے ساتھ حدیث پڑھی اور اس کا مطالعہ کیا، پھر کچھ عرصہ بقیۃ السلف برکۃ العصر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہٗ کی خدمت میں رہ کر ان کے علمی ذخیروں اور ذاتی تحقیقات سے فائدہ اٹھایا، اور ان کے درس میں بھی شرکت کی، تدریسی صلاحیت اور ذوق کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کو تصنیفی صلاحیت و ذوق بھی عطا فرمایا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ ایک ایسا مدرس جس نے سالہا سال تک کسی فن کی تعلیم دی ہو، اس فن کی مشکلات، طلباء کی صحیح ضرورتوں، ان کے ذہن اور ان کی استعداد سے واقف ہو سکتا ہے، اور اس فن کی چھپی ہوئی اور نکھری ہوئی تحقیقات کو پیش کر سکتا ہے۔ ان سب کی خصوصیات کی بناء

پر اس کی امید ہے کہ یہ کتاب عربی داں تعلیم یافتہ طبقہ کے لئے اس فن کے تعارف، اور اس سے اجمالی واقفیت کا ذریعہ، اور طلباء مدارس کے لئے معاون و رہنما ثابت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اس سے تمام قارئین اور طلباء مدارس کو نفع پہونچائے، اسلاف کی گرانقدر اور بے نظیر خدمات کی قدر ان کے دل میں پیدا ہو، اور اس فن کے اصل مآخذ اور قدیم مراجع کے مطالعہ کا شوق ان کے سینہ میں موجزن ہو۔ وَاللّٰہُ وَلِیُّ التَّوْفِیْقِ۔

ابوالحسن علی ندوی

دائرہ شاہ علم اللہ، رائے بریلی

سہ شنبہ، ۳ر شوال المکرم ۱۳۸۸ھ

۲۴ر دسمبر ۱۹۶۸ء

حرفِ آغاز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اما بعد! یہ کتاب جو فنِ اسماء الرجال، جرح تعدیل اور اس کے متعلقات کے تعارف اور اصول وضابطے کے بیان پر مشتمل ہے، آخری باب میں اس فن کی اہم ومشہور کتابوں کا اجمالی تعارف بھی ہے اور ان کے مطبوع ومخطوط ہونے کی نشاندہی ہے۔

اس کتاب کے لکھنے کا ابتداءً خیال فاضل گرامی مولانا مناظر احسن گیلانی کی کتاب "تدوین حدیث" کے مقدمہ سے پیدا ہوا، جس میں انھوں نے اس فن پر اپنے ایک مقالہ کا ذکر کیا ہے، مگر افسوس کہ وہ منظرِ عام پر نہ آسکا۔

چونکہ عرصہ سے حق تعالیٰ شانہٗ نے محض اپنے فضل وکرم سے اس ناچیز کو حدیثِ پاک کے پڑھنے وپڑھانے کا موقع عطا فرمایا ہے، اس لئے ضرورت محسوس کی گئی کہ طلباء کو فنِ جرح وتعدیل کے اصول وضابطے اور اس فن کی مشہور واہم کتابوں سے متعارف کرایا جائے، تاکہ اس فن کی کتابوں سے استفادہ کا سلیقہ پیدا ہوسکے، اور وہ اس بحرِ ناپیدا کنار سے مستفید ہوسکیں۔

میرے پیشِ نظر خصوصیت سے مدارس عربیہ کے طلبا رہیں، مگر ساتھ ہی اس کی بھی دعا ہے کہ ہمارے جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے لئے بھی یہ کتاب مفید ثابت ہو، اور مسلمانوں کے اس عظیم کارنامہ کا جو انہوں نے علمِ حدیث کی حفاظت و صیانت کی ضرورت کے تحت ایجاد کیا، اس کی اہمیت کا اندازہ ہو۔

یورپ کے مستشرقین اور ان کے مشرقی تلامذہ و مقلدین کی عرصہ سے ناپاک کوشش ہے کہ علم حدیث جو درحقیقت قرآن کا بیان و شرح ہے، اس کو ایک صدی بعد کی ایجاد ثابت کیا جائے، تاکہ اسلام کا نظام اور اس کا پورا تمدن و معاشرہ ایک مجہول حقیقت بن کر رہ جائے، اس لئے ضرورت محسوس کی گئی کہ فنِ رجال، جرح و تعدیل کے ضابطے اور محدثین کی اس سلسلہ میں غیر معمولی دیانت داری اور ان کی جانفشانیوں کا اجمالی مرقع پیش کر دیا جائے۔

اس کتاب کی ترتیب کے سلسلہ میں جن کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے، اس کی اجمالی فہرست اخیر کتاب میں درج کر دی گئی ہے۔

میرے استاد و مرشد حضرت مولانا محمد زکریا[1] صاحب شیخ الحدیث مدفیوضہم (جن کی توجہ و برکت سے یہ کتاب پیش کی جا رہی ہے) نے اس کتاب کی تکمیل کے لئے خصوصیت سے تاکید فرمائی اور اس کے بیشتر حصے کو پڑھوا کر سنا، اور اس کی تکمیل پر اظہارِ مسرت فرمایا، اور خصوصیت سے دعائیں دیں۔

ہمارے مخدوم و محترم حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہٗ نے اس کتاب کو اپنے رسالہ "الفرقان" میں کئی قسطوں میں شائع فرمایا، جس سے علمی حلقوں میں اس کی اشاعت ہوئی، جس پر تہہِ دل سے ممنون ہوں۔

یہ ناچیز اپنے مخدوم و مربی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ کا بھی ممنون ہے

---

[1] افسوس کہ یکم شعبان المعظم ۱۴۰۲ھ کو حضرت والا عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف رخصت ہوئے اور جنۃ البقیع میں مدفون ہوئے، إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ط

کہ انہوں نے از راہِ شفقت اس کے لئے مقدمہ لکھنے کی زحمت گوارا فرمائی ۔

میں ان تمام دوستوں اور بزرگوں کا ممنون ہوں جنہوں نے اس کتاب کے سلسلے میں کسی نوع کا تعاون کیا ہے ۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ اس کتاب کو شرفِ قبولیت و دوام عطا فرمائے اور اس ناچیز کی لغزشوں و سیئات سے درگزر فرما کر مزید حدیث پاک کی خدمت کا موقع عطا فرمائے ، وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ۔

فقط والسّلام

تقی الدّین ندوی مظاہری

مظاہر علوم سہارنپور

یوم جمعہ ۱۵ ر رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ

فنِ اسماء الرجال پوری علمی دنیا کا اس پر اتفاق ہے کہ مسلمانوں نے اپنے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات طیبہ بلکہ ہر اس چیز اور ہر اس شخص کے حالات کی جس کا ادنیٰ سا تعلق بھی آپؐ کی ذات مبارک سے تھا، جس طرح حفاظت کی وہ انسانی تاریخ کا ایک عجوبہ ہے۔

جن لوگوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اور احوال کو روایت کیا، انھیں رواۃِ حدیث یا راویانِ حدیث کہا جاتا ہے، جن میں صحابۂ کرامؓ، تابعینؒ و تبع تابعینؒ اور بعد کے چوتھی صدی ہجری تک کے راویانِ احادیث و آثار داخل ہیں۔ ان کے مجموعۂ احوال کا نام "فنِ اسماء الرجال" ہے۔ جب حدیث و سنّت کے سرمایہ کی تدوین ہو چکی، تو ان رواۃِ حدیث کے حالات بھی قلمبند کیے گئے، ہر راوی کا نام، اس کی کنیت، اس کا لقب، کہاں کے رہنے والے تھے، ان کے آباء واجداد کون تھے؟ کس مزاج و طبیعت کے تھے، حافظہ کیسا تھا، تقویٰ اور دیانت کے لحاظ سے کیا درجہ اور معیار تھا، کن اساتذہ اور شیوخ سے علم حاصل کیا تھا، طلب علم کے سلسلے میں کہاں کہاں کی خاک چھانی، کن لوگوں نے ان سے علم حاصل کیا، غرض ان ہزارہا ہزار راویانِ حدیث کے بارے میں تحقیق و تفتیش کا اتنا زبردست ریکارڈ جمع کیا گیا کہ دنیائے قدیم و

جدید کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں، ڈاکٹر اسپنگر نے جس کی اسلام دشمنی مشہور ہے "الاصابة فی معرفة الصحابة" کے انگریزی مقدمہ میں لکھا ہے :۔

"کوئی قوم نہ دنیا میں ایسی گزری، نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال جیسا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو، جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصیتوں کا حال معلوم ہو سکتا ہے[1]۔"

صرف طبقۂ اول کے راویانِ حدیث یعنی صحابۂ کرام کی تعداد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری دورِ حیات میں ایک لاکھ سے زائد تھی، اگرچہ ان کتابوں میں جو صحابۂ کرامؓ کے تذکرہ میں لکھی گئیں اور محفوظ ہیں، قریبًا صرف دس ہزار کا تذکرہ ملتا ہے، جیسا کہ حافظ سیوطی نے لکھا ہے :۔

"یہ وہ لوگ ہیں جن میں سے ہر ایک نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اور واقعات کا کچھ نہ کچھ حصہ دوسروں تک پہنچایا، یعنی انہوں نے روایتِ حدیث کی خدمت انجام دی[2]۔"

سلسلۂ اسناد حدیث کے دو جزو ہوتے ہیں، ایک متن حدیث، یعنی حدیث کا اصل مضمون جن الفاظ میں بھی راوی نے بیان کیا ہو، اور دوسرا جزو اسناد یعنی بالترتیب ان لوگوں کے اسماء جنہوں نے اس حدیث کو روایت کیا ہو۔

سلسلۂ اسناد اس امت کا خصوصی امتیاز ہے، حافظ ابن حزم فرماتے ہیں کہ :۔

"ثقہ راوی کا اپنے اوپر والے ثقہ راوی سے حدیثِ نبویؐ کو اس طرح روایت کرنا کہ کڑی سے کڑی جڑی ہو (درمیان میں انقطاع نہ ہو) یہ وہ نعمت ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اُمتِ محمدیہ کو نوازا ہے[3]۔"

تاریخ کو چھوڑیئے، دنیا میں قرآن مجید کے علاوہ جو الہامی کتابیں مشہور و معروف ہیں

---

[1] خطبات مدراس بحوالہ مقدمہ اصابہ [2] تدریب الراوی طبع جدید ص۴۰۲ [3] تدریب طبع قدیم ص۱۸۳

انہی کی سند کا حال دیکھ لیا جائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توراۃ آج موجود ہے، انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مصنفین کے بیان کے مطابق وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صدہا سال کے بعد وہ کتابی شکل میں مدوّن ہوئی ہے۔

عیسائی دنیا کا بڑا حصہ آج صرف چار انجیلوں کو تسلیم کرتا ہے، ان چار انجیلوں میں سے ایک کے لکھنے والے نے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خود نہیں دیکھا ہے، بلکہ انہوں نے کسی سے سُن کر حالات کا یہ مجموعہ لکھا ہے، بلکہ اب تو یہ بھی مشکوک سمجھا جارہا ہے کہ جن چار آدمیوں کی طرف ان کی نسبت کی جاتی ہے (یعنی متّی، مرقس، یوحنّا، لوقا) ان کی طرف یہ نسبت صحیح بھی ہے یا نہیں؟ اس کے لئے جس درجہ کا علمی ثبوت چاہیے، واقعہ یہ ہے کہ موجود نہیں ہے[۱] یہی حال دوسروں کے الہامی نوشتوں کا ہے اور ہمارے ہاں ضعیف حدیثوں تک کی سند موجود ہے اور اس سند کے ضعف و عدم ضعف پر دلائل قائم ہیں، بلکہ جیسا کہ اوپر بتایا گیا کہ اسناد کو حدیث کا جزو بنادیا گیا ہے اور بلا اسناد کے حدیث کو قابلِ قبول ہی نہیں سمجھا گیا۔ امت کے جلیل القدر امام عبداللہؒ بن مبارک کا ارشاد ہے:۔

الاسناد من الدین لولا الاسناد	اسناد جزو دین ہے، اگر اسناد کی پابندی
لقال من شاء ما شاء[۲]	نہ ہو تو جس کے جو جی میں آئے کہدے۔

سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ ایکدن امام زہریؒ نے ایک حدیث بیان کی میں نے عرض کیا، اسی کو بغیر سند کے پھر بیان فرمادیجئے، انھوں نے فرمایا "تم بغیر زینے کے کوٹھے پر چڑھنا چاہتے ہو"

اسی طرح سفیانؒ ثوری نے اسناد کو مومن کا سلاح (ہتھیار) قرار دیا ہے[۳]۔

راویانِ حدیث کی پہلی صف یعنی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث و

---

[۱] خطبات مدراس ص۳۶ [۲] اخرجہ مسلم فی مقدمۃ ص۱۲ [۳] تدریب ص۳۶۳ طبع قدیم

سنت کے اولین رُواۃ یعنی صحابہ کرامؓ جو واقعات کے چشم دید گواہ ہیں، انکی راست گفتاری اور صدق مقال پر ان کی زندگی کا ایک ایک حرف گواہ ہے اور ان کی عقل، رزانت و متانت پر ان کے کارنامے شاہدِ عدل ہیں، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے علیٰ رؤس الاشہاد بار بار اعلان فرمایا کہ :-

"جو شخص میری طرف کسی جھوٹی بات کو قصداً منسوب کرے اس کا ٹھکانا جہنم ہے[1]"

صحابۂ کرامؓ کا یہ حال تھا کہ کسی بات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرکے بیان کرتے وقت کانپ جاتے تھے[2]

بعض صحابہؓ کا معمول تھا کہ جس وقت حدیث بیان کرنے کے لئے بیٹھتے تھے تو کوئی حدیث بیان کرنے سے پہلے "مَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا" والی حدیث ضرور پڑھ لیا کرتے تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ اپنی مسند میں راوی ہیں کہ خصوصیت کے ساتھ ذخیرۂ حدیث کے سب سے بڑے راوی حضرت ابوہریرہؓ کا دوامی دستور تھا کہ :-

یبتدأ حدیثه قال رسول الله	جب وہ حدیث بیان کرنا شروع کرتے
الصادق المصدوق ابوالقاسم	تو پہلے فرماتے کہ اللہ کے رسولؐ صادق و
صلی الله علیه وسلم من	مصدوق ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم
کذب علیّ متعمدًا	نے فرمایا ہے کہ جس نے مجھ پر قصداً
فلیتبوأ مقعدهٗ من	جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں
النار۔	تیار کرلے۔

قرآن وحدیث میں ان حضرات صحابہؓ کے عادل ہونے کی شہادت دی گئی ہے، اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :-

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ[3] الخ

---

[1] صحیح بخاری باب اثم من کذب علی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم [2] تذکرۃ الحفاظ فی ترجمہ ابن مسعودؓ ص۱۵ [3] بقرۃ آیۃ ۱۱۱

دوسری جگہ فرمایا :۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ[1] الخ

ان آیات کے اولین مخاطب صحابہ کرامؓ ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے "خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي"[2] اسی لئے علامہ نووی نے امت کا اجماع نقل کیا ہے :۔

کلھم عدول ومتأولون	یعنی صحابہ کرامؓ سب کے سب عادل
فی حروبھم وغیرھا	ہیں اور آپس کی لڑائیوں وغیرہ میں تاویل
ولم یخرج شئ من ذلك	کرنے والے تھے، اور ان میں سے کوئی
احدا منھم من العدالۃ	چیز ان میں کے ایک شخص کو بھی عدالت
لانھم مجتھدون	سے خارج نہیں کر سکتی، کیونکہ وہ مجتہد
اختلفوا فی مسائل من	تھے، اجتہاد کے مواقع پر ان حضرات
محل الاجتھاد کما یختلف	کا اختلاف ہوا ہے جیسے ائمہ مجتہدین کا
المجتھدون[3]	اختلاف ہوتا ہے۔

امام الحرمین فرماتے ہیں کہ ان حضرات صحابہؓ کی عدالت میں غور وفکر نہ کرنے کا سبب یہی ہے کہ یہی حضرات دراصل شریعت کے حامل ہیں، پس اگر ان کی روایت میں بھی توقف کیا جائے تو شریعت آپ ہی کے عہد کے ساتھ منحصر ہو کر رہ جائے گی، اور آپؐ کے وصال کے بعد دین وشریعت کی بنیاد باقی نہیں رہے گی[4]

یہی وجہ ہے کہ علمائے امت نے بعد کے رواۃ کی طرح صحابہ کرامؓ پر جرح وتنقید کو ناجائز قرار دیا ہے، کیونکہ یہ پوری جماعت عادل وثقہ ہے ؎

لگایا تھا مالی نے اک باغ ایسا

نہ تھا جس میں چھوٹا بڑا کوئی پودا

---

[1] آل عمران آیت ۱۱۰ [2] اخرجہ الشیخان [3] شرح مسلم ج ۲ ص ۲۷۲ باب فضائل الصحابہ

[4] تدریب الراوی طبع قدیم ص ۲۰۴

بہر حال صحابۂ کرامؓ کی پوری جماعت پوری امت میں ممتاز و افضل ہے، مگر ان کے آپس میں مختلف درجات تھے، تاہم اس پر اتفاق ہے کہ نبیؐ کے سوا کوئی بشر معصوم نہیں پیدا کیا گیا، بشریت کے تقاضے سے بعض باتوں کا ان سے صدور ہوا، جیسے حضرت ماعزؓ اسلمی[1]، نعمانؓ بن عمرو انصاری، مغیرہؓ[2] بن شعبہ اور وحشیؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ و امیر معاویہ وغیرہم رضی اللہ عنہم، تاریخ و حدیث کی کتابوں میں واقعی ان سے بڑی بڑی لغزشوں کا تذکرہ ملتا ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا، مگر ان صحابۂ کرامؓ کی طرف کسی زمانے میں اس جرم کے انتساب کی جرأت نہیں کی گئی کہ جان بوجھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی صحابی نے کوئی غلط بات منسوب کر دی تھی، حضرت انسؓ فرماتے ہیں :-

واللہ ما کنا نکذب ولا کنا ندری ما الکذب[3]	واللہ نہ ہم جھوٹ بولتے تھے اور نہ جانتے تھے کہ کذب کسے کہتے ہیں ۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :-

لیس کلنا کان یسمع حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کانت لنا ضیعۃ واشغال ولکن الناس لم یکونوا یکذبون یومئذ فیحدث الشاھد الغائب[4]	ہم میں سے سب ہی لوگ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو نہیں سن سکتے تھے، ہمارے پاس جائدادیں اور بہت سے مشاغل تھے، لیکن اس دور میں لوگ (صحابہ کرامؓ) جھوٹ نہیں بول سکتے تھے (حضورؐ کی حدیث کو) حاضر غائب تک پہنچاتا تھا ۔

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۴ ص ۳۱۲ [2] الطبقات الکبریٰ لابن سعد ج ۳ ص ۲۹۳ [3] حوالہ مذکور ج ۴ ص ۲۸۴ [4] الجامع الاخلاق الراوی وآداب السامع ص ۱۲ واوردہ السیوطی فی مفتاح الجنۃ ص ۲۵ [5] المحدث الفاصل ج ۳ ص ۳۲ و ۳۳ والجامع الاخلاق الراوی ص ۱۲

حضرت انسؓ فرماتے ہیں :۔

"ہم لوگ (یعنی صحابۂ کرامؓ) باہم ایک دوسرے کو متہم نہیں کرتے تھے[1] یعنی ہم میں سے کوئی دوسرے کے بارہ میں یہ بدگمانی نہیں کرتا تھا کہ وہ دانستہ غلط بیانی کر رہا ہے حالانکہ بکثرت ایسی مثالیں حدیث کی کتابوں میں ملتی ہیں کہ اس اعتراض کے سوا دوسری قسم کی تنقیدوں کا ان میں آپس میں رواج تھا۔

حضرت ابوہریرہؓ نے جب یہ حدیث سنائی "توضؤا مما غیرت النار[2]" (آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو کر لیا کرو" الخ حضرت ابن عباسؓ نے اس پر تنقید کرتے ہوئے فرمایا کیا گرم پانی استعمال کرنے سے بھی وضو کروں؟

"حضرت ابن عباسؓ کا مطلب یہ تھا کہ ابوہریرہؓ کو اس بارے میں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ اسی طرح "ان المیت یعذب ببکاء اهله علیه" (گھر والوں کے رونے سے مردے پر عذاب ہوتا ہے) اس حدیث کو حضرت عمرؓ اور ان کے صاحب زادے ابن عمرؓ بیان کرتے تھے، حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ نے سنا، تو اس پر آپ نے اعتراض کیا، مگر کن الفاظ میں، فرمایا۔ "رحم الله عمرو ابن عمر ماهما بکاذبین ولا مکذبین ولا متزیدین[3]" (رحم کرے اللہ عمرؓ اور ابن عمرؓ پر نہ تو یہ دونوں غلط بیانی سے کام لینے والے ہیں اور نہ جھوٹ منسوب کرنے والے ہیں، اور نہ بڑھا کر بات بنانے والے ہیں، بلکہ ان کو غلط فہمی ہوئی ہے[4]۔

---

[1] طبقات ابن سعد ص ۱۴ج ۲ [2] رواہ ابن ماجہ باب الوضوء مما غیرت النار [3] مسند امام احمد ج ۶ ص ۲۸۱

[4] اس پر ایک نہایت لطیف تقریر حضرۃ الاستاذ مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کی ہے، ملاحظہ ہو الاعتدال فی مراتب الرجال ص ۲۲۔

ان احادیث میں اختلاف کا منشا کیا ہے؟ اس کی تفصیلی بحث کے لئے ملاحظہ ہو شروح حدیث فتح الباری وعمدۃ القاری وغیرہ۔ یہاں تو صرف یہ دکھانا ہے کہ صحابۂ کرامؓ کا باہم مرادِ معنیٰ کی تعیین میں اختلاف بھی ہوا ہے[1] مگر کسی صحابیؓ نے دوسرے صحابی پر کذب علی النبیؐ کا الزام نہیں لگایا، جب فاطمہؓ بنت قیس کی طلاق والی حدیث حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کی گئی تو فاروق اعظم نے اس کو قرآن وسنتِ نبویؐ کے خلاف سمجھتے ہوئے بھی بھول چوک اور نسیان سے آگے کی کوئی بات ان کی روایت کے متعلق نہیں کہی، بلکہ فرمایا۔

لانترك كتاب الله وسنة	اللہ کی کتاب اور اس کے نبیؐ کی سنت
نبيه صلى الله عليه وسلم	کو کسی ایک عورت کے بیان کی وجہ
بقول امرأة لا ندري	سے ہم نہیں چھوڑیں گے، جس کے
احفظت او نسيت۔[2]	متعلق ہم نہیں جانتے کہ اسے بات
	ٹھیک ٹھیک یاد رہی یا بھول گئی۔

اسی لئے علمائے امت کا اتفاق ہے کہ اگر ایک صحابیؓ دوسرے صحابی کے لئے کَذَبَ فُلَانٌ کہے تو اس سے جھوٹ کے معروف معنیٰ مراد نہیں ہوتے، بلکہ اس کے معنی خطاء اجتہادی کے ہیں، ابن حبان کتاب الثقات میں تحریر فرماتے ہیں:

اهل الحجاز يطلقون كذب	اہلِ حجاز کا محاورہ ہے کہ وہ اَخطَأَ
في موضع اخطأ۔	کی جگہ کَذَبَ بولتے ہیں[3]

علامہ خطیب بغدادی صحابۂ کرامؓ کے فضائل ومناقب میں بہت سی آیات و احادیث لکھنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

وجميع ذلك تقتضي القطع	یہ سارے دلائل (جو بیان کیے گئے)

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو عین الاصابہ فیما استدرکتہ عائشۃ علی الصحابہؓ۔

[2] جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۶۱ [3] مقدمہ فتح الباری ص ۴۲۶

بتعديلهم ولا يحتاج احد منهم مع تعديل الله له الى تعديل احد من الخلق على انه لو لم يرد من الله عز وجل ورسوله فيهم شئ مما ذكرنا لاوجبت الحال التي كانوا عليها من الجهاد والهجرة والنصرة وبذل المهج والاموال وقتل الآباء والاولاد والمناصحة في الدين وقوة الايمان واليقين القطع بتعديلهم والاعتقاد لنزاهتهم وانهم افضل من جميع الخالفين بعدهم والمعدلين الذين يجيئون في بعدهم هذا مذهب كافة العلماء[1] الخ

ان کی عدالت کے قطعی طور پر مقتضی ہیں، ان میں کا ایک فرد بھی اللہ تعالےٰ کے عادل قرار دینے کے بعد مخلوق کی تعدیل کا محتاج نہیں ہے۔ ان صحابۂ کرامؓ کے متعلق اگر اللہ اور رسول کے وہ ارشادات وارد نہ بھی ہوئے ہوتے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے، اور جن میں ان کی مدح اور تعریف و توثیق کی گئی ہے، تب بھی ان کے جو حالات تھے یعنی راہِ خدا میں جہاد، ہجرت و نصرت جان و مال کی قربانی اللہ کی رضا کیلئے اپنے آباء و اجداد اور اولاد و اقاربؑ کے قتل پر بھی آمادہ ہو جانا اور دین کی خیر خواہی اور اللہ و رسول کی وفاداری اور ایمان و یقین کی قوت، تو جو شخص بھی ان کے ان حالات کو پیشِ نظر رکھے گا وہ قطعی طور سے ان کے عادل ہونے (یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف وہ غلط باتیں کا انتساب نہیں کرسکتے تھے) اور ان کے پاک دامن ہونے کا فیصلہ کرے گا اور یہ کہ یہ حضرات تمام بعد میں آنے والوں اور بعد کے عدالت بیان کرنے والوں سے افضل ہیں، اس پر جمہور علماء کا اتفاق ہے۔

---

[1] الکفایۃ فی فنون الروایۃ صہ ۴۹

ابوزرعہ رازی جماعت صحابہ کی عدالت کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

"جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرامؓ میں سے کسی فرد کی تنقیص کر رہا ہے تو سمجھ لو کہ وہ زندیق ہے، اس لئے کہ رسولؐ برحق ہیں، قرآن برحق ہے اور جو کچھ رسولؐ لاتے ہیں وہ برحق ہے۔ ان سب کے ہمارے لئے صحابۂ کرامؓ ناقل ہیں۔ یہ زنادقہ ہمارے گواہوں کو مجروح کرنا چاہتے ہیں تاکہ کتاب وسنت کو باطل کر دیں، اس لئے یہ خود بدرجۂ اولیٰ مجروح ہیں[1] بلکہ ان حضرات صحابۂ کرام کی موجودگی میں اہل بدعت کا زور نہ چلتا تھا، جب کسی چیز میں اختلاف ہوتا تو لوگ ان کی طرف رجوع کرتے اور فتنہ دب کر رہ جاتا۔ امام بخاریؒ نے تاریخ کبیر میں قتادہ تابعی سے نقل کیا ہے کہ جب حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو مورق کہنے لگے:۔

ذهب اليوم نصف العلم (آج نصف علم اٹھ گیا) جب ان سے دریافت کیا گیا کہ یہ کیوں کر؟ تو کہنے لگے کہ:۔

كان الرجل فی اهل الاهواء اذا خالفنا فی الحديث قلنا تعال الی من سمعه من النبی صلے الله عليه وسلم[2]	جب اہل بدعت میں سے کوئی شخص کسی حدیث کے بارے میں ہماری مخالفت کرتا تو ہم اس سے کہا کرتے کہ آؤ ان کے پاس چلو جنہوں نے خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔

بصرہ کے صحابہ میں سب سے آخر میں جس نے وفات پائی وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں، آپ کا انتقال ۹۳ھ یا ۹۵ھ میں ہوا ہے۔

---

[1] فتح المغیث ص۳۷۵ [2] تہذیب التہذیب ترجمہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔

تاریخ شاہد ہے کہ حضرات صحابہؓ اپنے ماں، باپ، بیوی، بچوں بلکہ اپنی جانوں سے بھی زیادہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کی زندگی کو عزیز رکھتے تھے، اس لئے انہوں نے حدیث وسنت کے سرمایہ کی تعامل وتوارث اور حفظ وکتابت کی راہ سے پاسبانی کی، اور ان حضرات نے دین کی اس امانت کو اپنے شاگردوں یعنی تابعین تک بے کم وکاست پہنچایا۔

راویانِ حدیث کی دوسری صف یعنی تابعینؒ

تابعینؒ ان کو کہتے ہیں جنہوں نے صحابہ کرامؓ کو دیکھا اور ان سے فیض پایا، عام اس سے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود ہوں مگر آپؐ کی زیارت کا موقع نہ ملا ہو، یا عہد نبویؐ کے آخر میں پیدا ہوئے ہوں، اس لئے آپ سے فیضیاب نہ ہوسکے ہوں، یا آپ کی وفات (ربیع الاول ۱۱ھ) کے بعد پیدا ہوئے ہوں، یہ سب تابعین میں داخل ہیں[1]

یہ جماعتِ تابعین "وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ" کا مصداق ہے، یہ طبقہ اگرچہ صحابہ کرامؓ کے مرتبہ پر نہیں مگر ان کا نمونہ ضرور ہے، انہوں نے صحابہؓ کی زندگی کو اپنایا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے وقائع، حالات اور احکام وقضایا کی تعلیم وتبلیغ اور اشاعت میں بلیغ اہتمام کیا، صحابہ کرامؓ سے ان تمام روایات، واقعات اور حالات کو پوچھ پوچھ کر، ایک ایک کے دروازے پر جاکر، بوڑھے، جوان، مرد، عورت سے تحقیق کر کے حدیث وسنت کے ذخیرے کی حفاظت کی۔ محمد بن شہاب زہری، ہشام بن عروہ، قیس بن ابی حازم، عطار بن ابی رباح، سعید بن جبیر، ابوالزناد وغیرہ سیکڑوں تابعین ہیں جنہوں نے دن رات ایک کر کے گوشہ گوشہ سے دانہ دانہ جمع کیا، امام مکحول دمشقی جلیل القدر تابعی ہیں، اپنی تعلیمی رُوداد بیان کرتے ہیں،

اعتقت بمصر فلم ادع بها ‏‏ میں مصر میں غلامی سے آزاد کیا گیا، آزاد

---

[1] توجیہ النظر ص ۱۷۳

علما الاحويتہ فیمارئ	ہونے کے بعد مصر میں علم (مراد علم
ثم اتیت العراق ثم	حدیث) کا جو ذخیرہ تھا، جہاں تک
المدینۃ فلم ادع بھما	میرا خیال ہے اس پر میں حاوی ہوگیا
علما الاحویتہ فیما	پھر عراق پہونچا، اس کے بعد مدینہ
اری ثم اتیت الشام	منورہ حاضر ہوا، ان دونوں شہروں
فغربلتھا[1]	میں جو علم پھیلا ہوا تھا اس کو بھی میں

نے جہاں تک میں سمجھتا ہوں سمیٹ لیا، پھر شام آیا اور یہاں کے علم کو میں نے چھلنی میں چھان لیا۔

علم حدیث کی طلب میں اور اس کے ساتھ شغف کا یہ عالم تھا کہ ایک ایک شہر میں ہزارہا طالبین ہوتے تھے، محمد بن سیرین جلیل القدر تابعی ہیں، بیان فرماتے ہیں

قدمت الکوفۃ وبھا اربعۃ	میں کوفہ آیا تو وہاں حدیث کے ہزارہا
آلاف یطلبون الحدیث[2]	طالب علم موجود تھے۔

محدث حاکم نیشاپوری نے "معرفۃ علوم الحدیث" کی "النوع التاسع والاربعین" میں زیر عنوان "معرفۃ الائمۃ الثقات المشھورین فی التابعین واتباعھم ممن یجمع حدیثھم للحفظ والمذاکرۃ والتبرک بھم وبذکرھم فی الشرق الی الغرب" (یعنی تابعین اور تبع تابعین میں سے ان مشاہیر ائمہ ثقات کا تعارف جن کی حدیثیں حفظ و مذاکرہ کے لئے اور ان سے اور ان کے ذکر سے برکت حاصل کرنے کے لئے مشرق سے لے کر مغرب تک یعنی سارے عالم اسلامی میں جمع کی جاتی ہیں) بلاد اسلامیہ کے ان تمام ائمہ ثقات تابعین و تبع تابعین کے نام گناتے ہیں، جو دنیائے اسلام کے گوشہ گوشہ میں پھیلے ہوئے تھے، اور اس عنوان کے تحت آسکتے تھے۔

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ص ۲۷۵ [2] تدریب ص ۲۷۵

حضرات تابعین کے جو حالات تذکرہ کی کتابوں میں بیان کئے گئے ہیں، ان کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات نے حدیث وسنت کی تحصیل میں ہر طرح کی قربانیاں دیں اور علم کی جو دولت انھیں اپنے اساتذہ یعنی صحابۂ کرامؓ سے ملی تھی اور حدیث و سنت کا جو سرمایہ تعامل و توارث اور حفظ کتابت کی راہ سے منتقل ہو کر ان حضرات کے پاس آیا تھا، اس کو انھوں نے پورے حزم و احتیاط کے ساتھ اپنے تلامذہ یعنی تبع تابعین کے حوالہ کیا۔

حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ طبقۂ تابعین میں انتہائی تحقیق و تفتیش اور غایت درجہ تنقید کے بعد بھی کوئی راوی کاذب نہیں ملا[1]

حافظ سخاویؒ حدیث "مرسل" کے باب میں فرماتے ہیں:۔

ان احتمال الضعف بالواسطة	ضعف کا احتمال واسطے میں جہاں
حيث كان تابعيا لاسيما	تابعی ہوں، بالخصوص کذب کی بنیاد پر
بالكذب بعيد جدا، فانه	بہت ہی بعید ہے، کیونکہ آنحضرت
صلى الله عليه وسلم اثنى	صلے اللہ علیہ وسلم نے تابعین کے عصر
على عصر التابعين وشهد	کی مدح کی ہے اور صحابہؓ کے بعد انکے
له بعد الصحابة بالخيرية	زمانے کے لئے بھی بھلائی کی شہادت
كما تقدم بحيث استدل	دی ہے۔ چنانچہ اس سے قرون ثلاثہ
بذلك على تعديل اهل	(صحابہؓ و تابعینؒ و تبع تابعین کے ادوار)
القرون الثلاثة وان	کی عدالت پر استدلال کیا گیا ہے اگرچہ
تفاوتت منازلهم بالفضل[2]	فضیلت کے لحاظ سے ان کے درجات
	میں تفاوت ہے۔

حافظ شمس الدین سخاوی ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

---

[1] حجیت حدیث ص۱۲۵ بحوالہ تذکرۃ الحفاظ [2] فتح المغیث ص۵۶

"پہلی صدی ہجری جو صحابہؓ و تابعین کے دَور میں گزری، اس میں حارث اعور اور مختار کذاب جیسے اِکّا دکّا اشخاص کو چھوڑ کر کسی ضعیف الروایۃ شخص کا تقریباً وجود نہ تھا، پھر پہلی صدی گزر کر جب دوسری آئی تو اس کے اوائل میں اوساط تابعین کی ایک جماعت ہوئی جو زیادہ تر حدیث کو زبانی یاد رکھنے اور اپنے ذہن میں محفوظ رکھنے کے لحاظ سے ضعیف سمجھی گئی"[1]

حافظ سخاوی فرماتے ہیں:۔

"خلف بن خلیفہ آخری تابعی ہیں جن کے بعد تابعین کے وجود سے بزم عالم خالی ہو گئی اور ان کی وفات ۱۸۱ھ میں ہوئی ہے"[2]

فتنہ کا آغاز

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اخیر دَورِ خلافت میں تقدیر الٰہی سے کچھ ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ فتنوں نے سر نکالا اور اسلام کے خلاف ایک عجیب و غریب تحریک شروع ہوئی۔ اس تحریک کا بانی عبداللہ بن سباؑ یہودی تھا جو اپنے مسلمان ہونے کا اظہار کرتا تھا، اس کا خاص نصب العین یہ تھا کہ لوگوں کو یہ باور کرایا جائے کہ صحابہ کرامؓ میں سے نہ تو کوئی اپنے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کا سچا دوست تھا اور نہ ہی (معاذ اللہ) آپؐ سے انھیں کوئی عقیدت تھی۔ ظاہر بات ہے کہ جماعت صحابہؓ سے اگر اعتماد اٹھ جائے تو دین کا سارا ایوان ہی مسمار ہو کر رہ جائے گا، اس فتنے نے زور پکڑا، بالآخر اسی کے نتیجہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دَورِ خلافت میں مسلمان خانہ جنگیوں میں مبتلا ہو گئے۔ موقع پا کر یہ سبائی پارٹی حضرت علیؓ کی فوج میں گھل مل گئی۔ مؤرخین کا اتفاق ہے کہ جنگ "جمل" کا واقعہ مطلقاً پیش نہ آتا۔ اگر یہ سبائی جماعت صلح کو جنگ سے بدلنے میں کامیاب نہ ہوئی ہوتی جنگ "جمل" کے بعد صفین و خوارج وغیرہ کی لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس موقع سے

---

[1] الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ ص۱۶۳ [2] فتح المغیث ص۳۹۶

فائدہ اٹھا کر یہ سبائی جماعت اپنے خیالات اور بے سروپا روایات پھیلاتی رہی[1]
حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں "اول من کذب عبد اللہ بن سبا"[2] روایات کے سلسلہ میں جس شخص نے جھوٹ چلایا' وہ عبد اللہ بن سبا تھا) یعنی اس نے سب سے پہلے جھوٹی حدیثوں کا دھواں فضا میں پھیلانے کی کوشش کی، بالآخر حضرت علیؓ اس سازش سے واقف ہوئے اور آپ تک عبد اللہ بن سبا اور اس کے ساتھیوں کی باتیں پہنچائی گئیں حضرت والا سخت ناراض ہوئے اور فرمایا۔

"ومالی ولھذا الخبیث الاسود" اس سیاہ کالے خبیث سے مجھے کیا علاقہ)
اور اعلان عام کر دیا کہ جو اس طرح کی باتیں کرے گا اس کو سخت سزا دی جائے گی، بالآخر حضرت علیؓ نے اس جماعت سے دار و گیر میں سختی سے کام لیا۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔

قد احرقھم علیؓ فی خلافتہ[3]	یعنی ان لوگوں کو حضرت علیؓ نے اپنی خلافت کے زمانے میں آگ میں ڈلوا دیا۔

فی الواقع یہ لوگ حضرت علیؓ کے خدا ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے[4]
اس جماعت کے نمائندے کوفہ' بصرہ' شام' مصر و حجاز ہر جگہ پھیلے ہوئے تھے اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوری قوت سے اس فتنے کو دبایا اور لوگوں کو اس جماعت کی سازش سے آگاہ کیا۔ علامہ ذہبی نے حضرت علیؓ کا یہ قول نقل کیا ہے۔

قاتلھم اللہ ای عصابۃ بیضاء سودوا وای حدیث من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افسدوا[5]۔	خدا انھیں ہلاک کرے، کتنی روشن جماعت کو انہوں نے سیاہ کیا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی کتنی حدیثوں کو انہوں نے بگاڑا۔

---

[1] ماخوذ از تدوین حدیث ص۳۰ از مولانا گیلانیؒ [2] لسان المیزان ص۲۸۹ ج ۳ [3] لسان المیزان ص۲۸۹ ج۳ [4] حوالہ مذکور ص۲۸۹ ج۳ [5] تذکرۃ الحفاظ ص۱۲ ج ۱،

حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں :۔

"دورِ صحابہؓ میں بعد کے ادوار کے مقابل میں بہت کم فتنے تھے، لیکن جتنا زمانہ عہدِ نبوت سے دور ہوتا گیا، اختلاف و گروہ بندی کی کثرت ہوتی چلی گئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں کوئی بدعت کھل کر سامنے نہیں آئی، مگر ان کی شہادت کے بعد لوگ مختلف گروہوں میں تقسیم ہوگئے اور دو مقابل کی بدعتوں کا ظہور ہوا، ایک خوارج کی بدعت جو (معاذ اللہ) حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ کی تکفیر کرتے تھے اور دوسری روافض کی بدعت جو حضرت علیؓ کی امامت اور عصمت کی مدعی تھے بلکہ روافض میں سے بعض ان کی نبوت کے اور بعض اُلوہیت تک کے قائل تھے[1]"

اس کے بعد اسلام میں مختلف فرقوں کے ظہور کی تاریخ بیان ہے، ان فرق ضالہ میں سب سے زیادہ وضعِ حدیث کا کام روافض نے انجام دیا ہے۔ وضع حدیث اور اسکے اسباب پر مفصل کلام مصطفےٰ سباعی مرحوم نے اپنی مشہور کتاب " السنة ومكانتها في التشريع الاسلامی" میں کیا ہے، اگر کوئی اس کی تفصیل معلوم کرنا چاہتا ہو تو اسے اس کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔

ظہورِ فتنہ کے بعد روایتِ حدیث میں احتیاطی تدابیر

صحابۂ کرامؓ اور تابعینِ عظامؒ نے پوری قوت سے اس فتنہ کی بیخ کنی کرنے کی کوشش کی، سبائی پارٹی جو جھوٹی حدیثوں کا دھواں فضا میں پھیلانے کے لئے کوشاں تھی، چونکہ اس کا علم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی ہوگیا تھا، اس لئے اس فتنہ کے رُونما ہونے کے بعد حضرت علیؓ نے صحیح و غلط کے درمیان امتیاز پیدا

---

[1] المنتقٰی فی منہاج الاعتدال ص ۳۸۶

کرنے کے لئے ایک عمومی ضابطہ بیان فرمایا، جس کو علامہ ذہبی نے نقل کیا ہے:۔

حدثوا الناس بما یعرفون	لوگوں سے انھیں باتوں کو بیان کرو
و دعوا ما ینکرون الخ	جنھیں وہ جانتے ہوں اور جن سے وہ آشنا نہ ہوں، ان کو بیان نہ کرو۔

حافظ ذہبی اس کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

"حدیثوں کے پرکھنے کے لئے یہ ایک معیار و کسوٹی ہے کہ منکر و واہی احادیث کے بیان کرنے سے باز رہا جائے۔ خواہ فضائل سے متعلق ہوں یا عقائد و رقاق سے، اور اس سے واقفیت رجال کی معرفت کے بغیر ممکن نہیں[1]۔"

اللہ رب العزت جس نے اپنے دین کو قیامت تک اپنی اصلی و صحیح صورت میں باقی رکھنے کا فیصلہ فرمایا ہے اور اس کا یہ فیصلہ کہ اس کے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا کلام اہل اہواء و ملحدین کی دست برد سے محفوظ رہے۔ اس لئے امت میں ایسے لوگوں کو اس کی حفاظت کے لئے پیدا فرمایا، جنھوں نے حق و باطل صحیح و موضوع میں تفریق قائم کی اور ان مفسدین کے فتنے سے حدیث و سنت کے سرمایہ کی پاسبانی کی۔ صحابہؓ و تابعینؒ اور بعد کے ائمہ نے عہد صحابہؓ سے تدوین سنت کے زمانہ تک جو کوششیں صرف کی ہیں، انھیں دیکھ کر انسان حیران رہ جاتا ہے۔

بہر حال فتنہ کے بعد علماء امت نے روایت حدیث کے سلسلے میں خصوصیت سے رجال کی تحقیق اور اسناد کا خصوصی التزام کیا۔

اسناد کا التزام اور رجال کی تحقیق ظہور فتنہ کے رونما ہونے کے بعد راویان حدیث کے حالات معلوم کرنے کی بھی ضرورت پڑی۔ محمد بن سیرینؒ فرماتے ہیں:۔

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۲

لم يكونوا يسألون عن الاسناد فلما وقعت الفتنة قالوا سموا لنا رجالكم فينظر الى اهل السنة فيؤخذ حديثهم و ينظر الى اهل البدع فلا يؤخذ حديثهم[1]

لوگوں سے اسناد کے بارے میں نہیں پوچھا جاتا تھا لیکن جب فتنہ پھیلا تو حدیث بیان کرنے والوں سے یہ کہا جانے لگا کہ اپنے راویوں کے نام بتاؤ اگر وہ اہل سنت میں سے ہیں تو ان کی روایات قبول کی جائیں گی اور اگر وہ اہل بدعت میں سے ہیں تو ان کی روایات قبول نہیں کی جائیں گی۔

صحابہ کرامؓ و تابعین جس صدق و امانت اور اخلاص کے مقام پر تھے اس کی بنا پر ہر وقت اسناد کا التزام نہیں رکھتے تھے، کبھی سند کے ساتھ حدیثوں کو نقل کرتے اور کبھی ترک کر دیتے تھے، مگر حدیث کی کتابوں میں بہت سی ایسی مثالیں موجود ہیں کہ صحابہ کرامؓ ظہور فتنہ سے پیشتر بھی اکثر اسناد کے ساتھ حدیثوں کو نقل کرتے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت براءؓ بن عازب سے یہ حدیث بیان کی ۔

عن فاطمة اخبرته ان رسول الله صلى الله عليه وسلم امرها ان تحل فحلت ونضحت البيت بنضوح[2]

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو نقل کرتے تھے، جن کو وہ براہ راست نہیں سن سکتے تھے۔

صحابہ کرامؓ بھی آپس میں ایک دوسرے کے واسطے سے حدیثوں کو روایت کیا کرتے تھے[3] نیز عربوں کی خصوصیات میں سے تھا کہ وہ اکثر زمانۂ جاہلیت میں بھی اشعار

---

[1] مقدمہ صحیح مسلم ص۱۱ [2] السنۃ قبل التدوین ص۲۲۱ بحوالہ الجامع الاخلاق الراوی و آداب السامع [3] البدایۃ والنہایۃ ج ۲ ص۱۰۹ و سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص۴۳۶

وحکایات کو سند کے ساتھ نقل کرتے تھے[1]

اس لئے حدیثوں کو بھی صحابہؓ وتابعینؒ عام طور پر اسناد کے ساتھ ہی بیان کرتے اور کبھی ترک بھی کر دیا کرتے تھے مگر ظہورِ فتنہ سے پہلے اسناد میں تحقیق وتفتیش کی چنداں ضرورت نہ تھی اور نہ ان کا التزام تھا، لیکن اس کے بعد اس کا خصوصیت سے التزام کیا جانے لگا۔

امام مسلم نے اپنے صحیح کے مقدمہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ:۔

"بُشیر بن کعب عدوی ابن عباس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے کچھ حدیثیں بیان کرنے لگے مگر حضرت عباسؓ کا یہ حال تھا کہ:۔

لا یأذن لحدیثہ ولا ینظر الیہ۔	ابن عباس نہ ان کی حدیثوں کی طرف کان لگاتے تھے اور نہ کوئی توجہ فرماتے۔

بُشیر کو تعجب ہوا۔ اس پر حضرت ابن عباسؓ نے بُشیر کے سامنے اپنا ایک حال ان الفاظ میں بیان کیا:۔

انا کنا اذا سمعنا رجلا یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابتدرتہ ابصارنا واصغینا الیہ اذاننا فلما رکب الناس الصعب والذلول لم ناخذ من الناس الا ما نعرف۔	ایک زمانہ ہم پر ایسا گزرا ہے کہ جب ہم سنتے کہ کوئی آدمی قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کہہ رہا ہے تو ہماری نگاہیں فوراً اس کی طرف اٹھ جاتی تھیں اور ہم ہمہ تن گوش ہو کر اس کی بات کو سنتے تھے پھر جب لوگ ہر سرکش (اونٹ) اور غیر سرکش پر سوار ہونے لگے (یعنی غلط وصحیح

---

[1] مصادر الشعر الجاہلی ص ۲۵۸

میں تیز جاتی رہی اور رطب و یابس ہر طرح کی باتیں بیان کرنے لگے) تو اب ہم صرف انھیں حدیثوں کو قبول کرتے ہیں جنہیں ہم خود جانتے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ کے قول کی شرح مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ میں کی ہے:۔

ای ما یوافق المعروف او	یعنی جو جانی پہچانی ہوئی روایتوں کے
نعرف فیہ امارات الصحۃ	موافق ہوں یا ان میں صحت کی نشانیاں
وسمات الصدق[1]	اور سچائی کی علامتیں پائی جائیں۔

ابن عباسؓ کے اس بیان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ظہورِ فتنہ اور روایت میں تساہل کے بعد عام طور پر صحابۂ کرامؓ نے روایات کے بیان کرنے اور دوسروں سے سننے میں حزم و احتیاط اور تحقیق کی روش اختیار کرلی تھی تاکہ کذب علی النبی صلے اللہ علیہ وسلم کے فتنے کا پوری طرح سدِ باب ہوجائے، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ صحابۂ کرامؓ کے تلامذہ یعنی تابعین جنھوں نے اپنے اساتذہ سے روایتیں کی ہیں، اسی اصول کی پابندی کرنے لگے۔

محمد بن سیرین سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا:۔

ھٰذا الحدیث دین فانظروا	یہ حدیث دین ہے، پس خوب غور کرلو
عمّن تاخذون دینکم۔	ان لوگوں کے بارے میں جن سے تم دین حاصل کررہے ہو[2]

شعبی نے ربیع بن خیثم سے روایت کی کہ ربیع نے روایت بیان کی:۔

من قال لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ الخ امام شعبی فرماتے ہیں کہ میں نے ربیع بن خیثم سے دریافت کیا کہ آپ سے اس حدیث کو کس نے بیان کیا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ عمرو بن میمون اودی نے، اس کے بعد میری ملاقات

---

[1] فتح الملہم ص۱۲۸ ج ۱ [2] مقدمہ صحیح مسلم ص۱۱ وشمائل ترمذی ص۳۰

عمرو بن میمون اودی سے ہوئی، میں نے عرض کیا کہ آپ سے کس نے اس حدیث کو بیان کیا تو انہوں نے جواب دیا عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے، پھر میری ملاقات ابن ابی لیلیٰ سے بھی ہوئی، تو میں نے دریافت کیا کہ آپ سے کس نے اس حدیث کو بیان کیا؟ تو انہوں نے جواب دیا حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں [1]

یحییٰ بن سعیدؒ فرماتے ہیں:

وھذا اول من فتش عن الأسناد [2]	یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اسناد کے بارے میں تحقیق و تفتیش سے کام لیا۔

تابعین اور تبع تابعین اکثر باہم احادیث کا مذاکرہ بھی کرتے تھے اور یہ حضرات صرف ان ہی حدیثوں کو قبول کرتے تھے جو جانی وپہچانی ہوتی ہوں، اور ان کو ترک کر دیتے جو نہیں پہچانی جاتی تھیں۔ امام اوزاعی فرماتے ہیں:۔

"ہم حدیث کو سنتے تھے اور اس کو اپنے اصحاب کے سامنے اسطرح پیش کرتے تھے جیسے کھوٹے درہم کو صراف کے سامنے پیش کرتے ہیں، جن کو وہ حضرات پہچانتے تھے انھیں ہم قبول کرتے ورنہ ترک کر دیتے تھے [3]"

اعمش کہتے ہیں:۔

"ابراہیم نخعی حدیث کے صراف تھے، میں بہت سے لوگوں سے حدیثوں کو سنتا، پھر ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان روایات کو ان کے سامنے پیش کرتا، چنانچہ زید بن وہب وغیرہ کے یہاں مہینے میں ایک دو مرتبہ حدیث کے سلسلے میں حاضری ہوتی اور

---

[1] مقدمۃ التمہید از عبد البر مالکی ص۱۴ [2] المحدث الفاضل ص۲ [3] الجرح والتعدیل ص۲۱ ج ۱

ابراہیم نخعی کی خدمت میں حاضری سے مشکل ہی سے ناغہ ہوتا[1]

اسنادِ عالی کی اہمیت

محدثین نے علوِ اسناد کو ایک قابلِ فخر چیز سمجھا ہے کیونکہ روایت میں جس قدر واسطے کم ہوں گے، اسی قدر آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے قرب زیادہ ہوگا، نیز راویوں کی کمی کی وجہ سے ان کی چھان بین بھی نسبتاً کم کرنی پڑے گی اور خطا و نسیان کا احتمال بھی کم ہوگا۔ اس لئے ائمہ فن کے ہاں اس کا بہت زیادہ اہتمام ہے اور ان کے تذکروں میں علوِ اسناد کا ذکر خصوصیت سے کیا جاتا ہے، بلکہ خاص خاص ائمہ کی عالی سندوں کو تو علماء نے مستقل اجزاء میں علیحدہ مدون کیا ہے اور یہ فن کا ایک مخصوص شعبہ بن گیا۔

امام احمد بن حنبلؒ سے کسی نے پوچھا کہ اسنادِ عالی کے طلب کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا! اسنادِ عالی طلب کرنا سلف کی سنت ہے، کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تلامذہ آپ سے علم حاصل کرنے اور حدیثیں سُن لینے کے باوجود مدینہ منورہ کا سفر کرتے تھے اور وہاں جاکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے علم سیکھتے تھے اور حدیثیں لکھتے تھے[2]

کثیر بن قیس تابعی کہتے ہیں:-

"میں دمشق میں حضرت ابو الدرداءؓ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا دفعتہً ایک شخص نے ان سے آکر عرض کیا، ابو الدرداء! میں مدینۃ الرسولؐ سے چل کر آپ کے پاس آیا ہوں اور کسی دنیوی حاجت اور ضرورت سے نہیں آیا، صرف ایک حدیث کے لئے آیا ہوں، جس کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ آپ اسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے بیان فرماتے ہیں ـــــــ حضرت ابو الدرداء نے جب یہ سُنا تو فضیلتِ علم کے بارے میں پہلے ایک

---

[1] الجرح والتعدیل ص۱۷ ج۱ [2] مناقب الامام احمد از ابن جوزی ص۲۰۳

حدیث اس شخص کو سنائی، پھر جس حدیث کے سننے کے لیے سفر کیا تھا اس کو سنایا۔[1]

خطیب بغدادی نے عبید اللہ بن عدی سے جو کبار تابعین میں سے ہیں نقل کیا ہے،

"مجھے ایک حدیث کے متعلق پتہ چلا کہ اس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، دل میں خدشہ آیا کہ کہیں خدانخواستہ ان کا انتقال ہوگیا تو پھر براہ راست ان سے وہ حدیث نہ سن سکوں گا، بس فوراً ہی سفر شروع کر دیا اور ان کی خدمت میں عراق پہنچ کر دم لیا۔"[2]

دارمی نے ابو العالیہ تابعی سے نقل کیا ہے کہ:۔

"ہم بصرہ میں بعض صحابۂ کرام کی روایات (بالواسطہ) سنتے، مگر جب تک مدینہ منورہ جا کر خود ان کی زبان سے نہ سن لیتے ہمیں چین نہ آتا۔"[3]

حفاظِ حدیث کے تذکروں میں جہاں ان کی علمی رحلتوں کا تذکرہ ہے، وہاں اسکی بکثرت مثالیں دیکھی جاسکتی ہیں۔

راویانِ حدیث کی تیسری صف تبع تابعینؒ اس طبقہ کی روایات تمامتر تابعین سے ہیں، جنہوں نے حدیثِ نبویؐ کے ساتھ صحابۂ کرامؓ وخلفائے راشدینؓ کے احکام وفیصلے کو بھی محفوظ رکھا تھا، حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ وتابعین کے بعد اس طبقے کے بارے میں خیر و بھلائی کی شہادت دی ہے، فرمایا:۔

خیر امتی قرنی ثم الذین	میری اُمت میں سب سے بہترین
یلونهم ثم الذین یلونهم۔[4]	میرے دَور کے لوگ (یعنی صحابۂ کرامؓ)

---

[1] جامع ترمذی ج۲ ص۹۲ [2] فتح الباری ج۱ ص۱۵۹ [3] سنن دارمی ج۱ ص۴۳ [4] اخرجہ الترمذی ج۲ ص۴۵

ہیں، پھر وہ جو ان کے بعد ان سے متصل ہیں (یعنی تابعین) پھر وہ لوگ جو ان کے بعد اُن سے متصل ہیں (یعنی تبع تابعین)۔

اس طبقے میں بیشک کذب کا ظہور ہوا، اور اہلِ اہوا، نے حق و باطل اور صدق و کذب کو خلط ملط کرنے کی کوشش کی، مگر حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنی شریعت کی حفاظت کے لیے طبقہ تبع تابعین میں اصحاب بصیرت ائمہ و فقہاء امصار کی ایک بڑی جماعت کو کھڑا کر دیا جنہوں نے بالقاء ربانی و بتائید یزدانی ہر راوی کے حالات معلوم کئے اور جرح و تعدیل کے ذریعہ کھرے اور کھوٹے کو الگ الگ کر کے رکھ دیا، جیسے امام مالک، عبدالرحمٰن بن عمرو الاوزاعی، سفیان بن سعید ثوری، شعبہ بن حجاج عتکی، ابن جریج وغیرہ۔

اسی طبقۂ تبع تابعین میں یحییٰ بن سعید قطان، عبداللہ بن مبارک، محمد بن حسن شیبانی ابراہیم بن طہمان کا شمار ہے[1]۔

ان حضرات نے حدیث و سنت کے سرمایہ کی پوری طرح پاسبانی کی، خلیفہ ہارون الرشید کے دربار میں ایک زندیق کو قتل کے لئے لایا گیا، تو وہ کہنے لگا کہ تم مجھے تو قتل کر دو گے لیکن ان ایک ہزار حدیثوں کا کیا کرو گے جو میں نے وضع کر کے چالو کر دی ہیں، ہارون رشید نے فوراً جواب دیا:۔

فاین انت یاعدو اللہ عن ابی اسحٰق الفزاری و ابن المبارک؟ ینخلانہا فیخرجانہا حرفاً حرفاً[2]	اے دشمنِ خدا! تو ابو اسحٰق فزاری اور ابن مبارک سے بچکر کہاں جا سکتا ہے جو ان کو چھلنی کی طرح چھان کر ایک ایک حرف نکال پھینکیں گے۔

حافظ سخاوی فرماتے ہیں کہ:۔

"تبع تابعین میں آخری شخص جس کا قول قبول کیا جاتا تھا ان کا انتقال ۲۲۰ھ کے حدود میں ہوا ہے، اسی زمانہ میں بدعتوں

---

[1] معرفۃ علوم الحدیث ص ۳۶ [2] معرفۃ علوم الحدیث ص ۳۶

کا کھلے عام ظہور ہوا، معتزلہ نے اپنی زبانوں کو دراز کیا، فلاسفہ نے سر اٹھایا، اور اہلِ علم کو خلق قرآن کے مسئلے میں ابتلاء پیش آیا، حالات میں بہت زیادہ تغیر آگیا، اس وقت تک برابر انحطاط ہی ہو رہا ہے، اللہ ہی حفاظت فرمائے[1]

فن جرح وتعدیل اب تک جو تفصیل کی گئی، اس سے یہ حقیقت واضح ہو کر سامنے آگئی کہ روایتِ حدیث کی خدمت جن بزرگوں نے انجام دی وہ ثقاہت و عدالت کے بہت اونچے مقام پر فائز تھے۔ یہ ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معجزہ ہے کہ آپؐ کی تعلیمات کو اس طرح محفوظ کیا گیا کہ از ابتدا تا انتہا روایت کرنے والوں کا ایک جانا بوجھا اور پرکھا پرکھایا سلسلہ ہے، حدیثوں کے پرکھنے کے دو معیار ہیں، ایک معیار درایت یعنی عقلی حیثیت سے روایتوں کے پرکھنے کے اصول و قوانین، اور دوسرا معیار روایت، علم حدیث کے سلسلے میں محدثین نے پینسٹھ سے زائد علوم ایجاد کئے ہیں[2] ان میں سے بعض کا تعلق درایت سے ہے اور بعض کا روایت (اسناد) سے، جن علوم کا تعلق اسناد سے ہے، ان میں علم جرح و تعدیل سب سے مہتم بالشان ہے اور فن اسماء الرجال سے ان کا بہت گہرا تعلق ہے، حاکم ابوعبداللہ نیشاپوری نے اس کو علم حدیث کا بڑا زینہ قرار دیا ہے اور صاحب کشف الظنون نے ان الفاظ میں تعارف کرایا ہے[3]

ھو علم یبحث فیہ عن جرح الرواۃ و تعدیلھم بالفاظ مخصوصۃ وعن مراتب تلک الالفاظ[4]	یہ ایسا علم ہے کہ جس میں راویانِ حدیث کی جرح و تعدیل سے مخصوص الفاظ میں بحث کی جاتی ہے اور ان الفاظ کے مراتب سے بھی گفتگو کی جاتی ہے۔

محمد مارماڈیوک پکتھال نے اپنے ایک لکچر میں کہا ہے کہ اس میں پیغمبر صلی اللہ علیہ

---

[1] فتح المغیث ص ۳۹۹ [2] مقدمہ ابن صلاح ص ۶ [3] معرفۃ علوم الحدیث ص ۵۲ [4] کشف الظنون ج ۲ ص ۳۹ و تاریخ الخلفاء ص ۱۹

وسلم کے اقوال و افعال پوری احتیاط سے جانچنے اور پرکھنے کے بعد صرف مستند چیزوں کو تسلیم کیا جاتا ہے اور بعد میں آنے والے ماہرینِ فن اگلے لوگوں کے کام پر نظرِ ثانی کرتے، ہر حدیث کی سند دیکھتے اور اس میں کوئی کمزوری پاتے تو اس روایت کو کمزور کہہ دیتے لہ

جرح و تعدیل کی شرعی حیثیت رواۃ حدیث پر جرح و تعدیل کا معاملہ بہت پرخطر ہے، اس کے لئے ضروری ہے کہ جرح کرنے والا ہوائے نفسانی سے خالی ہو، تاکہ کسی مسلم پر افتراپردازی یا بے جا تعریف لازم نہ آئے، کیونکہ دونوں باتیں شریعت میں مذموم ہیں۔ اس کا معاملہ یہ ہے کہ اگر کسی راوی کو بغیر غور و فکر و واقفیت کے عادل قرار دے دیا گیا تو پھر اندیشہ ہے کہ کہیں اس زمرہ میں شامل نہ ہو جائے جس پر مشہور حدیث "من روی حدیثا وھو یظن انہ کذب" سے میں وعید آئی ہے، اور اگر بے احتیاطی سے جرح کردی تو بے قصور مسلمان کی آبروریزی کی، اور اس پر ایسا بدنما داغ لگا دیا جس کا عار ہمیشہ باقی رہے گا، نیز اللہ و رسول کے ساتھ آدمی کی حق تلفی بھی ہوگی جو آخرت میں نقصان دہ اور دنیا میں ناراضگی اور منافرت کا سبب ہے، اگر اس سے مقصود اللہ و اس کے رسولؐ اور اس کے دین اور مومنین کی خیرخواہی ہے تو یہ بیشک حق ہے اس پر ثواب بھی ملے گا، چنانچہ ابوتراب نخشی نے (اپنی سادگی) میں امام احمد کو اس سے منع کیا اور کہا کہ غیبت نہ کیجئے تو امام احمد نے جواب دیا، "ویحك ھذہ نصیحۃ" آپ کیا فرما رہے ہیں؟ یہ غیبت نہیں ہے یہ تو عین خیرخواہی ہے۔ خود حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے:-

اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا ۔ — اگر تم لوگوں کے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو خوب تحقیق کر لو۔

لہ اسلامی کشکول ص۱۸ بحوالہ دی کلچر سائنڈ آف اسلام ۔ سے اخرجہ الترمذی ص۹۱ ج ۲

نیز ایک منافق کے متعلق حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بئس اخوالعشیرۃ (یہ قبیلہ کا برا آدمی ہے) اور تعدیل کے سلسلے میں یہ حدیث پیش کی جاتی ہے" ان عبداللہ بن عمر رجل صالح" (عبداللہ بن عمرؓ ایک صالح آدمی ہیں) اس لیئے علمائے محدثین و محققین نے غیبت اور جرح میں فرق کرتے ہوئے اس کو جائز قرار دیا ہے، اس پر اجماع ہے کہ یہ نہ صرف جائز بلکہ بضرورت واجب ہے[۱]

امام ترمذی تحریر کرتے ہیں کہ "جس اہل علم نے رجال پر کلام کیا ہے اور رواۃ کے ضعف کو بیان کیا ہے، ان کو اس پر (واللہ اعلم) مسلمانوں کے ساتھ خیرخواہی نے آمادہ کیا، کیونکہ ان حضرات کے بارے میں بیجا تنقید اور غیبت کا شبہ بھی نہیں کیا جاسکتا، نیز ان حضرات نے جن رواۃ کے ضعف کو بیان کیا ہے وہ یا بدعتی ہیں، یا حدیث میں متہم ہیں، یا یہ لوگ مغفل تھے اور کثرت سے خطا کا صدور ہوتا تھا، پس ان حضرات ائمہ نے دین کے ساتھ خیرخواہی اور کامل احتیاط کے ساتھ پیش نظر ان رواۃ کے حالات کو بیان کیا ہے[۲]

علامہ نووی فرماتے ہیں :-

جرح رواۃ الحدیث ھو جائز بالاجماع بل واجب للحاجۃ[۳]	یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ رواۃ حدیث پر جرح جائز ہے بلکہ دینی ضرورت کی وجہ سے واجب ہے۔

فن جرح وتعدیل کا آغاز

جرح وتعدیل کا سلسلہ دورِ صحابہؓ ہی میں شروع ہوچکا تھا، خوارج و روافض کے ظہور کے بعد تحقیق وتفتیش ہی کے بعد روایت قبول کی تھی، حاکم ابو عبداللہ نیشاپوری فرماتے ہیں کہ :-

"میں نے اپنی تصنیف "کتاب المزکین لرواۃ الاخبار" میں جن صحابہ وتابعین وائمہ سے جرح و تعدیل ثابت ہے، ان کو دس

---

[۱] ماخوذ از فتح المغیث ص۴۷۹ [۲] کتاب العلل ص۱ [۳] ریاض الصالحین الاولی ص۴۲۹

طبقات پر تقسیم کیا ہے اور ہر طبقہ کے چار افراد کو لیا ہے طبقۂ
اولیٰ میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت زید
بن ثابتؓ ہیں، ان حضرات نے جرح و تعدیل اور روایات کی
صحت وسقم پر بحث کی ہے اور دسویں طبقہ میں ابواسحاق ابراہیم
بن حمزہ اصبہانی، ابوعلی نیشاپوری، ابوبکر محمد بن عمر بن سلمہ بغدادی
اور ابوالقاسم حمزہ بن علی کنانی مصری ہیں[1]"

حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ:۔

"رجال پر کلام بہت سے صحابہ کرامؓ نے کیا ہے، تابعین کے عہد
میں اس سلسلے میں مزید اضافہ ہوا[2]"

امام ترمذی فرماتے ہیں:۔

"بہت سے ائمہ تابعین نے رجال پر کلام کیا ہے، جیسے حسن
بصری وطاؤس نے معبد جہنی پر اور سعید بن جبیر نے طلق بن حبیب
پر، ابراہیم نخعی و عامر شعبی نے حارث اعور پر کلام کیا ہے[3]"

پہلی صدی کے بعد جب دوسری صدی آئی تو اسلام میں مزید بہت سے نئے نئے فرقے پیدا
ہوئے، حافظ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں طبقۂ رابعہ کے ختم پر تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس طبقہ کے دور میں دولت اسلامیہ بنی امیہ سے
بنی عباس کی طرف ۱۳۲ھ میں منتقل ہوئی .... اسی
زمانے میں بصرہ میں عمرو بن عبید عابد اور واصل بن عطا
نمایاں ہوئے، جنہوں نے لوگوں کو مذہب اعتزال کی طرف
دعوت دی اور خراسان میں جہم بن صفوان نمودار ہوا، جو تعطیل
صفات باری تعالیٰ اور خلق قرآن کا داعی تھا اور اسی کے بالمقابل

---

[1] معرفۃ علوم الحدیث ص۵۲ [2] فتح المغیث ص۴۷۹ [3] کتاب العلل ص۱

خراسان میں مقاتل بن سلیمان مفسر پیدا ہوا، جس نے اثبات
صفات میں اتنا غلو کیا کہ تجسیم تک نوبت پہنچادی، آخر علمائے
تابعین اور ائمہ سلف ان مبتدعین کے خلاف اٹھے اور انھوں
نے لوگوں کو ان کی بدعت میں مبتلا ہونے سے روکا۔"[1]

حافظ شمس الدین سخاوی لکھتے ہیں :۔
"جب تابعین کا دور اخیر آیا یعنی ۱۵۰ھ کے قریب تو
ائمہ کی ایک جماعت نے توثیق وتضعیف پر (باقاعدہ) کلام کیا
چنانچہ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ :۔

ما رأیت اکذب من جابر الجعفی۔ — میں نے جابر جعفی سے زیادہ جھوٹا آدمی نہیں دیکھا۔

اور اعمش نے ایک جماعت کی تضعیف کی اور دوسروں کی
توثیق کی، اور شعبہ نے رجال کے بارے میں غور وفکر سے کام لیا
یہ بڑے محتاط تھے، اور بجز ثقہ تقریباً کسی سے روایت نہ
کرتے تھے، امام مالک کا بھی یہی حال تھا۔
اور اس دور کے مسلّم لوگوں میں سے کہ جب وہ کسی کے
بارے میں کچھ کہہ دیں، تو ان کی بات مان لی جاتی ہے۔ معمر،
ہشام دستوائی، اوزاعی، سفیان ثوری، ابن الماجشون، حماد
بن سلمہ اور لیث وغیرہ ہیں، پھر ان کے بعد دوسرا طبقہ
ابن المبارک، ہشیم، ابواسحٰق فزاری، معافی بن عمر موصلی، بشر
بن المفضل اور ابن عیینہ وغیرہ کا ہے۔ بعد کو ان ہی کے ہمزبان
ایک اور طبقہ ابن علیہ ابن وہب، اور وکیع جیسے حضرات کا ہے

---

[1] تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۱۵۱ و ۱۵۲

پھر ان ہی کے دور میں دو ایسے شخص جو حدیث کے واقف اور اس فن میں حجت گزرے ہیں، تنقید رجال کے لئے اٹھے، یحییٰ بن سعید قطان اور عبدالرحمٰن بن مہدی تھے، سو جس کو یہ دونوں مجروح کہہ دیں، اس کی جرح مندمل نہیں ہوتی، اور جس کی یہ دونوں توثیق کر دیں وہ مقبول ہے اور جس کے متعلق ان کے باہم اختلاف ہو (اور ایسے بہت کم اشخاص ہیں) اس کے بارے میں اجتہاد سے کام لینا پڑتا ہے[1]"

اس کے بعد حافظ موصوف نے مشہور ائمہ جرح و تعدیل کی ایک فہرست پیش کی ہے دونوں کا سلسلہ اپنے استاد شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی پر ختم فرمایا ہے۔

صاحب کشف الظنون فرماتے ہیں کہ:۔

"ان ائمہ جرح و تعدیل میں سب سے پہلے رجال پر کلام شعبہ بن حجاج نے کیا، حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے عراق میں محدثین کے بارے میں تحقیق و تفتیش سے کام کیا، اور ضعفاء و متروکین سے اجتناب اختیار کیا اور اس فن میں لوگوں کے مقتدیٰ بن گئے۔ ان کے بعد اہل عراق نے ان کی پیروی کی"

صالح بن جزرہ کا بیان ہے کہ سب سے پہلے رجال پر کلام شعبہ نے کیا، پھر ان کی پیروی یحییٰ قطان نے کی، پھر احمد و یحییٰ (ابن معین) نے[2]

حافظ سیوطی فرماتے ہیں کہ:۔

"یہ جو کہا گیا ہے کہ سب سے پہلے رجال پر شعبہ بن حجاج اور یحییٰ بن سعید قطان نے کلام کیا، اس سے مراد یہ ہے کہ ان دونوں حضرات

---

[1] فتح المغیث ص۴۷۹ [2] مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص۹۷ بحوالہ تہذیب التہذیب۔

نے باقاعدہ جرح و تعدیل کو فن کی حیثیت دی، اور اس کو مدوّن کیا[1]

تاریخ رجالِ حدیث کی تدوین اس سے پہلے ہم نے جو تفصیل بیان کی، اس سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ پہلی صدی جو صحابۂ کرامؓ اور اکابر تابعینؒ کے دور میں گزری، اس میں جرح و تعدیل کی چنداں ضرورت نہ تھی، اس زمانے میں حدیثوں کے تمام تر روایت کرنے والے صحابۂ کرامؓ تھے، جو عادل و ثقہ تھے، ان میں سے کسی فرد نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق کوئی غلط بیانی نہیں کی، کبار تابعین کے عہد میں برائے نام ضعف پایا گیا، البتہ اوساط تابعین میں بلاشبہ ضعیف راویوں کی ایک جماعت ملتی ہے مگر ان کا ضعف بھی کذب و بددیانتی کی بنا پر نہیں تھا، بلکہ قلت ضبط، حافظہ کے ضعف، یا روایت میں تساہلی کی بنا پر تھا، بہر حال اس دور تک کسی دروغ گو یا ضعیف الروایہ شخص کا وجود بہت کم تھا اس لئے تاریخ رجال حدیث کو قلمبند کرنے کی ضرورت نہیں محسوس کی گئی لیکن جب دوسری صدی کے وسط میں بعض لوگوں نے کذب بیانی سے کام لیا تو ائمہ محدثین نے باقاعدہ جرح و تعدیل سے کام لیا، اور تاریخ کی روشنی میں ان کے بیانات کو جانچا اور پرکھا۔

چنانچہ سفیان ثوری م ۱۶۱ھ فرماتے ہیں:۔

لما استعمل الرواة الکذب	جب راویوں نے جھوٹ سے کام لیا
استعملنا لهم التاريخ[2]	تو ہم نے اُن کیلئے تاریخ استعمال کی۔

قاضی حفص بن غیاث فرماتے ہیں:۔

اذا اتهمتم الشيخ فحاسبوه	جب تم لوگ کسی شیخ کو متہم خیال کرو
بالسنين[3]	تو سنین کے حساب سے اسکی جانچ کرو۔

(یعنی شیخ کے سن اور جس سے روایت کر رہا ہے اس کے سن کو معلوم کر کے حساب لگالو

---

[1] تدریب ص ۲۶۳ [2] و [3] الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ ص ۷ و ص ۹ والکفایہ ص ۱۱۹

کہ اس نے اس سے ملاقات بھی کی ہے یا ویسے ہی ان سے روایت کا دعویٰ کر رہا ہے۔

حسان بن زیاد کہتے ہیں :۔

"کذابین کے مقابلے میں تاریخ سے بہتر کوئی چیز مددگار نہیں ہو سکتی یہ اس طرح کہ پہلے اس راوی سے دریافت کیا جائے کہ تم کب پیدا ہوئے؟ جب وہ اپنا سال ولادت ہم سے بیان کر دے اور جس شخص سے وہ روایت کر رہا ہے اس کا سن وفات ہمیں معلوم ہو تو پھر ہمیں اس کے جھوٹ سچ کا پتہ چل سکتا ہے[1] چنانچہ اسمٰعیل بن عیاش نے ایک مرتبہ ایک شخص سے امتحاناً سوال کیا کہ بتاؤ تم نے خالد بن معدان سے کس سنہ میں حدیث لکھی تھی؟ کہنے لگا سنہ ۱۱۳ھ میں، اس پر اسمٰعیل نے اس شخص سے کہا کہ تم تو اس بات کے مدعی ہو کہ خالد کی وفات کے سات سال کے بعد تم نے اس سے حدیث سُنی ہے[2]"

حافظ ابن عبدالبر مالکی جامع بیان العلم میں لکھتے ہیں :۔

ویلزم صاحب الحدیث ان یعرف الصحابة المؤدین للذین عن نبیهم صلی الله علیه وسلم ویعنی بسیرهم وفضائلهم ویعرف احوال الناقلین عنهم وایامهم و اخبارهم حتی یقف علی العدول منهم من

اور صاحب حدیث کے لئے ضروری ہے کہ ان صحابۂ کرامؓ سے واقفیت بہم پہنچائے جو اپنے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے دین کے ناقل ہیں، اور ان کی سیرتوں اور ان کے فضائل سے اعتناء کرے، اور جو لوگ صحابہ سے نقل کرتے چلے آئے ہیں، ان کے بھی حالات، روزمرہ کے واقعات، اور ان کی اخبار سے باخبر ہو

---

[1] الاعلان بالتوبیخ ص ۹ [2] جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۶۹

غیر العدول[1] — تاکہ ان میں عادل اور غیر عادل سے واقف ہو جائے۔

محدثین کرام نے اسی ضرورت کے تحت "رجالِ حدیث" کے حالات کو قلمبند کیا، اور اس کو مدوّن و مرتب کیا ہے۔

مشہور مستشرق "ادم متز" اپنی کتاب "اسلامی تہذیب چوتھی صدی ہجری میں" میں لکھتا ہے:۔

"ناقدینِ حدیث نے شروع ہی سے راویانِ حدیث کے حالات اور اسماء کو ضبط کرنے، اور ان کے بارے میں ثقہ ہیں یا ضعیف حکم لگانے میں خصوصی توجہ کی، پھر ان لوگوں نے اس اساس پر نظر ڈالی جس پر یہ حکم مبنی ہے، یعنی راوی کے وہ صفات جس کا پورے طور پر ایک ثقہ محدث میں پایا جانا ضروری ہے اور اس کی واقفیت جرح و تعدیل ہی سے ہو سکتی ہے۔ نیز محدثین کو سند متصل کی ضرورت نے یہاں تک پہنچایا کہ وہ راویانِ حدیث کی زندگی سے بحث کرنے اور ان پر حکم لگانے کے علاوہ انکی کامل تاریخ مرتب کریں، اس طرح تیسری صدی ہجری میں تاریخ کی کتابیں وجود میں آئیں جیسے تاریخ البخاری و طبقات ابن سعد[2]"

لیکن واقعہ ہے کہ دوسری صدی کے اختتام اور تیسری صدی کے آغاز ہی میں باقاعدہ "تاریخ رجال حدیث و فن جرح و تعدیل" پر کتابیں لکھی گئیں، علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ فن جرح و تعدیل کے سب سے پہلے مصنف امام یحییٰ بن سعید قطان م ۱۹۸ھ ہیں جن کے بارے میں امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ ان کی شل میری آنکھوں نے نہیں دیکھا[3]۔

علامہ طاہر جزائری لکھتے ہیں:۔

---

[1] جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۶۹ [2] مجلہ دعوۃ الحق دسمبر ۱۹۶۶ء رباط (مراکش) [3] میزان الاعتدال ج ۲ ص ۱۲

"جن لوگوں نے سب سے پہلے (یحییٰ بن سعید قطان کے بعد) فن جرح وتعدیل پر تالیف کی اور کلام کیا، اس طبقہ میں یحییٰ بن معین م ۲۲۱ھ احمد بن حنبل م ۲۴۱ھ اور محمد بن سعد کاتب الواقدی وصاحب الطبقات م ۲۳۰ھ وعلی بن المدینی م ۲۳۴ھ ہیں۔ ان کے بعد امام بخاری ومسلم وابوزرعہ رازی وابوحاتم رازی وابوداؤد سجستانی آئے، ان حضرات کے بعد بکثرت لوگوں نے طبقہ بعد طبقہ ساتویں ہجری کے اواخر تک رجال پر کتابیں تالیف کیں، اور اس پر بحث کی، اور اسکا اہتمام کیا، یہاں تک کہ کتب حدیث میں کوئی راوی ایسا نہیں ہے کہ ان حضرات کی تالیفات میں اس کی تاریخ بسہولت نہ معلوم ہو سکے[1]........"

جرح وتعدیل پر تین طرح کی کتابیں لکھی گئی ہیں، بعض لوگوں نے صرف ثقات کے ذکر پر اکتفا کیا، جیسے ابن حبان البستی کی "کتاب الثقات" (جو چھپ گئی ہے) اور قاسم بن قطلوبغا کی "کتاب الثقات" جو چار جلدوں میں ہے اور تیسری خلیل بن شاہین کی "کتاب الثقات" طبع ہو چکی ہے۔

بعض لوگوں نے صرف ضعیف راویوں کو اپنی کتابوں میں جمع کیا، اس موضوع پر امام بخاری، امام نسائی، ابن حبان، دارقطنی، عقیلی، ابن الجوزی اور ابن عدی نے کتابیں لکھی ہیں۔ ابن عدی کی کتاب اس میں سب سے زیادہ جامع ہے، انھوں نے اپنی کتاب میں ان سب رواۃ کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے، جن پر کسی نوع کا کلام کیا گیا ہے، اگرچہ وہ صحیحین کے رجال میں سے ہوں، اسی طرح انھوں نے بعض ائمہ متبوعین کا ذکر بھی کر دیا ہے، کیونکہ ان کے مخالفین نے ان کی زندگی میں کلام کیا تھا بعض مصنفین

---

[1] توجیہ النظر ص ۱۱۸

نے ثقات وضعفا دونوں کو اپنی کتابوں میں جمع کیا ہے، اس میں امام بخاری کی "التاریخ الکبیر" "التاریخ الاوسط" "التاریخ الصغیر" ابن حبان کی "کتاب الجرح و التعدیل" اور ابن حاتم رازی کی کتاب "الجرح والتعدیل" (طبع ہوچکی ہے) ہے، طبقات ابن سعد (طبع ہوچکی) اس باب میں سب سے بہتر کتاب ہے، حافظ ابن کثیر کی کتاب ہے "التکمیل فی معرفۃ الثقات والمجاھیل" اس میں مصنف نے علامہ مزی کی تہذیب اور حافظ ذہبی کی میزان الاعتدال دونوں کو مع اپنے زوائد کے جمع کیا ہے جو ایک محدث اور بعد میں آنے والے فقیہ کے لئے بہت مفید ہے[1]

جرح وتعدیل میں محدثین کی دیانتداری

محدثین کرام نے راویانِ حدیث کی تحقیق وچھان بین میں انتہائی دیانت داری وحق گوئی کی مثال قائم کی ہے، اس میں انھوں نے اپنے باپ، بیٹے کسی کی رعایت نہیں کی، جو راوی قابل تنقید تھا' اس پر نقد کیا اور جو قابلِ توثیق تھا' اس کی ثقاہت کو بیان کیا۔ علی بن مدینی جو امام بخاری کے بھی شیخ ہیں ان سے ان کے والد کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ ان کے متعلق کسی اور سے دریافت کرو، جب لوگوں نے اصرار کیا تو انہوں نے اپنے سر کو جھکا لیا پھر سر کو اٹھا کر فرمایا' کہ دین کا معاملہ ہے' میرے والد ضعیف راوی ہیں۔

امام وکیع بڑے محدث تھے' لیکن ان کے باپ سرکاری خزانچی تھے، اس بنا پر وہ خود ان سے جب روایت کرتے تو ان کی تائید میں کسی دوسرے راوی کو ضرور ملا لیتے، یعنی تنہا اپنے باپ کی روایت کو تسلیم نہیں کرتے تھے، امام داؤد صاحب السنن نے اپنے بیٹے کے بارے میں فرمایا کہ وہ کذاب[ع] ہے[2]

زید بن انیسہ کہتے ہیں کہ میرے بھائی سے نہ روایت کرو (کیونکہ وہ ضعیف ہے)[3]

---

[1] توجیہ النظر ص۱۱۸ [2] فتح المغیث ص۴۱۸ [3] مقدمہ صحیح مسلم ص۲۰

[ع] اگرچہ علامہ ذہبی نے توثیق کی ہے اور اس کو جرح مبہم قرار دیا ہے' ملاحظہ ہو میزان الاعتدال ج۲ ص۴۳

مسعودی م ۱۵۴ھ ایک محدث ہیں، امام معاذ بن معاذ نے ان کو دیکھا کہ اپنی تحریری یادداشت دیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے، تو انھوں نے فوراً ان کے حافظہ سے اپنی بے اعتباری ظاہر کر دی۔[1]

یہی معاذ بن معاذ وہ بزرگ ہیں کہ ان کو ایک شخص نے دس ہزار دینار صرف اس معاوضہ میں پیش کرنا چاہا کہ وہ ایک شخص کو معتبر (عادل) اور غیر معتبر کچھ نہ کہیں، یعنی ان کے متعلق خاموش رہیں، انہوں نے اشرفیوں کے اس توڑے کو حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا اور فرمایا کہ میں کسی حق کو چھپا نہیں سکتا۔[2]

کیا تاریخ اس سے زیادہ احتیاط و دیانت داری کی مثال پیش کر سکتی ہے؟

محدثین کا وجدانی ملکہ ان محدثین کرام کو حق تعالیٰ شانہٗ نے وہ نور باطن اور وجدانی ملکہ عطا فرمایا تھا کہ کسی راوی کی روایت سننے، دیکھنے کے ساتھ ہی سمجھ جاتے تھے کہ یہ راوی جھوٹا ہے یا سچا، روایت صحیح ہے یا ضعیف و موضوع، حافظ ابن قیم سے سوال کیا گیا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ بغیر سند کے دیکھے ہوئے حدیث موضوع کا علم ہو جائے؟ تو حافظ صاحب نے فرمایا کہ یہ بڑا عظیم القدر سوال ہے، بغیر سند کے دیکھے ہوئے وہی شخص حدیث کو پہچان سکتا ہے کہ جس کے گوشت و پوست میں حدیث سرایت کر چکی ہو، اور حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات، و اوامر و نواہی، اور آپ کے مرغوبات و مرضیات ہر وقت اس کی نظر کے سامنے ہوں، گویا کہ وہ حضور پُر نور کی مجلس مبارک میں صحابۂ کرامؓ کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے، ایسا شخص حدیث کو سنتے ہی بغیر سند کے دیکھے ہوئے سمجھ جاتا ہے کہ یہ ارشاد نبوی ہے یا نہیں؟ یہ ایسا ہے کہ جس طرح فقہائے حنفیہ یا فقہائے شافعیہ طرز کلام سے پہچان لیتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے یا امام شافعیؒ کا۔[3]

صرّاف (سُنار) جس طرح سونا دیکھ کر کھرے کھوٹے کا اندازہ کر لیتا ہے اسی طرح

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۲۱۱ . والاعلان بالتوبیخ ص ۶۶ [2] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۴
[3] قواعد التحدیث ص ۱۴۷

یہ حضرات محدثین بھی حدیث پاک سے اشتغال اور طول ممارست کی وجہ سے غلط وصحیح میں امتیاز کر لیتے تھے [۱]

ربیع بن خثیم ایک جلیل القدر تابعی ہیں، فرماتے ہیں :۔

ان من الحدیث حدیثا له	بیشک بعض حدیثی روایتوں میں روشنی
ضوء کضوء النهار و	ہوتی ہے دن کی روشنی کی مانند،
ان من الحدیث حدیثا	اور بعض میں ایک تاریکی ہوتی ہے،
له ظلمة کظلمة اللیل	رات کی تاریکی کے مانند جس سے ہم اس
نعرفه بها [۲]	کا (صحیح وغلط) ہونا پہچانتے ہیں ۔

عبد الرحمٰن بن مہدی نے فرمایا کہ حدیث کی معرفت ایک الہام ہے بسا اوقات اگر تم کسی عالم سے جو حدیث کی علت بیان کرتا ہے دلیل طلب کرو، تو وہ دلیل نہیں پیش کر سکتا [۳]

علامہ ابن الجوزی فرماتے ہیں :۔

"حدیث منکر کو سنکر محدث کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور قلب اس سے نفرت کرتا ہے [۴]"

شیخ ابو الحسن علی بن عروہ حنبلی "کتاب الکواکب" میں فرماتے ہیں کہ :۔

" جس کی فطرت سلیم ہو اور قلب اس کا نور تقویٰ سے منور ہو، اور صدق و اخلاص اس کا مزاج ثانی بن چکا ہو، سنتے ہی اس کو جھوٹ و سچ کا پتہ چل جاتا ہے ۔ بعض بزرگانِ دین نے فرمایا کہ جب کوئی جھوٹ بولنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا کلام پورا ہونے سے پہلے ہی میں اس کی مراد کو سمجھ جاتا

---

[۱] تدریب طبع قدیم ص۸۹ ومقدمہ فتح الملہم ص۵۵ بحوالہ فتح المغیث [۲] معرفۃ علوم الحدیث ص۶۲ والمحدث الفاصل ص۶۳ [۳] معرفۃ علوم الحدیث ص۱۱۳ [۴] الباعث الحثیث ص۹۰

ہوں (کہ وہ جھوٹا ہے) اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے
وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ۔ اے نبی صلے اللہ علیہ
وسلم! ہم نے آپ کو ایسا خاص نور فراست عطا کیا
ہے کہ آپ اس کے ذریعہ منافقین کو ان کے لب و لہجہ
سے پہچان لیتے ہیں کہ یہ نفاق کی بات ہے[1]"

حافظ بلقینیؒ کا ارشاد ہے:۔

"اس پر دلیل یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی کسی انسان کی چند
سالوں تک خدمت کرے گا تو وہ اس کی ان تمام چیزوں
سے واقف ہو جائے گا جو اسے پسند ہیں یا ناپسند، پس اگر
کوئی دعویٰ کرے کہ وہ فلاں چیز کو ناپسند کرتا ہے جس کے
بارے میں اسے معلوم ہے کہ وہ پسند کرتا ہے تو فقط اس کی
بات سنتے ہی سے اس کی تکذیب کر دے گا[2]"

علامہ ابن دقیق العید فرماتے ہیں:۔

"محدثینِ کرام کا کسی حدیث کو موضوع قرار دینے کا تعلق اکثر
حدیث کے متن اور اس کے الفاظ سے ہوتا ہے، جس کا حاصل
یہ ہے کہ ان حضرات محدثین کو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے
الفاظ کے کثرتِ استعمال سے ایک خاص ذوق و ملکہ حاصل
ہو جاتا ہے جس سے وہ حضورؐ کے الفاظ اور دوسروں کے
الفاظ میں تمیز کر لیتے ہیں[3]"

حدیث کے پرکھنے کے اصول وضابطے

ائمہ محدثین نے اپنے وجدانی ذوق و ملکہ
سے جو انھیں حق تعالےٰ شانہٗ کی طرف

---

[1] قواعد التحدیث ص ۱۴۸ [2] تدریب ص ۹۹ [3] توضیح الافکار ج ۲ ص ۹۴

سے دیا گیا تھا، حدیث کے متن و اسناد دونوں کو پرکھنے اور جانچنے کے لئے ایسے اصول وضابطے مرتب کئے کہ مستشرقین یورپ اور ان کے تلامذہ وخوشہ چیں منکرین حدیث بھی اس میں کوتاہی کا الزام نہیں لگا سکتے۔

وضعِ حدیث کی وہ علامات جن کا تعلق متنِ حدیث سے ہے

محدثین کرام نے جس طرح راویوں کی صداقت و دیانت کو ایک لازمی امر قرار دیا ہے، اسی طرح چند ایسی علامتیں مقرر کی ہیں کہ اگر وہ یا ان میں سے کوئی ایک علامت پائی جائے تو حدیث قابلِ قبول نہ ہوگی، ان میں سے چند یہ ہیں:۔

(۱) جو حدیث ایسی ہو کہ اس کے معنی کی رکاکت وقارِ نبویؐ کے خلاف ہو، وہ قابلِ قبول نہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ رکاکت کا تعلق صرف معنیٰ سے ہے اور اسی کو وضعِ حدیث کا سبب قرار دیا گیا ہے، اگرچہ الفاظ میں رکاکت موجود نہ ہو، اس لئے کہ دین محاسن پر مشتمل ہے، اور معنوی رکاکت اس کے خلاف ہے، اور اگر صرف الفاظ ہی میں رکاکت موجود ہو تو مجرد اس کو وضعِ حدیث کا سبب نہیں قرار دیا جا سکتا، ممکن ہے کہ راوی نے بالمعنی روایت کی ہو، اور فصیح الفاظ کو غیر فصیح میں تبدیل کر دیا ہو، لیکن اگر وہ کہتا ہے کہ ان الفاظ حضورؐ کے الفاظ ہیں تو البتہ اس کو کاذب قرار دیا جائے گا۔[۱]

(۲) جو روایت قرآن، حدیث متواتر یا اجماعِ قطعی کے خلاف ہو، وہ صحیح نہیں۔[۲]

(۳) جو عقلِ سلیم کے خلاف ہو اور اس میں کسی تاویل کی گنجائش نہ ہو، وہ قابلِ قبول نہیں۔

(۴) اگر کوئی تاریخی واقعہ صحیح اور متواتر ذرائع سے معلوم ہے، اور کوئی روایت اس کے خلاف ہے تو وہ روایت قابلِ قبول نہیں۔

---

[۱] الباعث الحثیث ص۹۰ [۲] توضیح الافکار ج ۲ ص۹۶

(۵) اگر کوئی روایت مشاہدات کے خلاف ہو تو وہ قابل قبول نہیں۔

(۶) جس حدیث میں کسی معمولی نیکی پر غیر معمولی اور مبالغہ کے ساتھ ثواب بتلایا گیا ہو یا معمولی گناہ پر بہت بڑی وعید بیان کی گئی ہو، جیسا کہ صوفیاء و قصاص سے عام طور پر ہوتا ہے[۱] وہ صحیح نہیں۔

(۷) جس روایت میں ایسا واقعہ بیان کیا گیا ہو جو اگر وقوع میں آتا تو سیکڑوں آدمی اس کی روایت کرتے، مگر اس کے باوجود صرف ایک ہی راوی نے اس کی روایت کی، اس صورت میں اس راوی کی یہ روایت قابلِ قبول نہیں۔

(۸) جو حدیث انبیاء علیہم السلام کے قول سے مشابہت نہ رکھتی ہو، وہ قابلِ قبول نہیں...... بہرحال وہ تمام روایتیں جن میں مذکورہ بالا علتوں میں سے کوئی ایک علت بھی پائی جاتی ہو، وہ محدثین کے نزدیک غیر معتبر ہیں[۲]

وضعِ حدیث کی وہ علامات جن کا تعلق اسناد سے ہے

(۱) راوی کذاب ہو اور کذب میں مشہور ہو اس کے علاوہ اور کوئی ثقہ راوی اس کو روایت نہ کر رہا ہو (محدثینِ کرام نے کذابین اور اس کی تاریخ معلوم کرنے کی پوری کوشش کی ہے اور اس میں ایسا استقصاء کیا ہے کہ کوئی کذاب نہیں بچ سکا ہے۔)

(۲) واضع خود اپنے وضع کا اعتراف کرے، جیسے ابوعصمہ، نوح بن ابی مریم نے فضائلِ وضو میں بہت سی احادیث کے وضع کا اعتراف کیا ہے[۳]، اور اس طرح کی بہت سی دوسری مثالیں موجود ہیں۔

(۳) راوی ایسے شیخ سے روایت کرے جس سے اس کی ملاقات ثابت نہ ہو، یا اس کی وفات کے بعد پیدا ہو، یا جس جگہ سماع کا دعویٰ کر رہا ہو، وہاں کبھی گیا ہی نہ ہو، جیسے ماموں بن احمد ہروی نے دعویٰ کیا کہ اس نے ہشام بن عمار سے سنا

---

[۱] المنار ص۱۹ [۲] ماخوذ از فتح المغیث ص۱۱۲ و تدریب الراوی ص۹۹ طبع قدیم [۳] تدریب الراوی ص۱۰۲

ہے، حافظ ابن حبان نے اس سے پوچھا کہ کب تم شام میں داخل ہوئے؟ تو اس نے کہا کہ ۲۵۰ھ میں، اس پر حافظ ابن حبان نے فرمایا، ہشام! جس سے تم روایت کر رہے ہو اس کا انتقال تو ۲۴۵ھ میں ہو چکا ہے[1] اسی طرح عبداللہ بن اسحاق کرمانی نے محمد بن ابی یعقوب سے حدیث روایت کی حافظ ابو علی نیشاپوری اس کے پاس آئے اور اس کا سن ولادت معلوم کیا تو اس نے ۲۵۱ھ بتایا۔ حافظ ابو علی نے کہا کہ محمد بن یعقوب تو تمہاری ولادت کے نو سال پہلے وفات پا چکے تھے، اسی طرح محمد بن حاتم کشی نے عبد بن حمید کے واسطے سے حدیث بیان کی تو حاکم ابو عبداللہ نے کہا کہ اس شیخ نے عبد بن حمید کی وفات کے تیرہ سال بعد اس سے حدیث سُنی ہے[2]

(۴) کبھی وضع کا اندازہ راوی کے حال اور اس کے ذاتی رجحانات سے لگایا جا سکتا ہے، مثلاً حاکم نے سیف بن عمر تمیمی سے روایت نقل کی ہے کہ انھوں نے بیان کیا کہ ہم لوگ سعد بن طریف کے پاس تھے کہ اس کا لڑکا مکتب سے روتا ہوا آیا، تو سعد نے رونے کا سبب دریافت کیا تو اس لڑکے نے بتایا کہ استاد نے مارا ہے۔ اس پر سعد نے کہا کہ آج میں ان لوگوں کو رسوا کروں گا۔ چنانچہ ایک حدیث بنا ڈالی:- حدثنی عکرمة عن ابن عباس مرفوعاً، معلموا صبیانکم شرارکم، اقلهم رحمة للیتیم واغلظهم علی المساکین[3]۔

یا مثلاً محمد بن حجاج نخعی جو ہریسہ بیچا کرتا تھا، اس نے ہریسہ کی فضیلت میں ایک حدیث بنا ڈالی[4]

اسناد پر نقد کے اصول وضابطے

محدثین کرامؒ نے راویان حدیث کے نقد کے لئے کچھ ایسے اصول اور ضابطے مقرر کئے ہیں

---

[1] میزان الاعتدال ص۲۶۳ ج ۳ [2] میزان الاعتدال ج ۳ ص۴۷ [3] تدریب ص۱۱۵

[4] میزان ص۴۰ ج ۳

جن سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ کس راوی کی حدیث قابلِ قبول ہے اور کس کی قابلِ ترک، اور کس کی حدیث لکھی جائے گی اور کس کی چھوڑ دی جائے گی، ان متروکین کی اہم قسمیں حسب ذیل ہیں:۔

(۱) وہ لوگ جن کے متعلق ثابت ہوجائے کہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹی بات منسوب کرکے بیان کرتے ہیں، اس پر اجماع ہے کہ ایسے لوگوں کی روایت نہیں لی جائے گی اور یہ کذب علی النبی اکبر الکبائر ہے بلکہ علماء کی ایک جماعت نے ایسے شخص کی تکفیر کی ہے، اور ایک دوسری جماعت نے اس کو واجب القتل قرار دیا ہے۔

نیز اس میں بھی اختلاف، کہ ایسا شخص اگر توبہ کرے تو اس کی توبہ قابلِ قبول ہوگی یا نہیں؟ امام احمد بن حنبل اور ابوبکر حمیدی جو امام بخاری کے شیخ ہیں، ان کی رائے ہے کہ اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی، لیکن علامہ نووی اس کی توبہ اور اس کے بعد اس کی روایت کو بھی قابلِ قبول قرار دیتے ہیں، ابوالمظفر سمعانی کا مسلک ہے کہ جو شخص ایک حدیث میں کاذب ثابت ہوجائے، اس کی اس سے پہلے کی بھی ساری مرویات ناقابلِ اعتبار ہوجاتی ہیں[1]

(۲) جو لوگ عام بول چال میں راست گفتاری کے پابند نہ ہوں اور غلط بیانی سے پرہیز نہ کرتے ہوں (اگرچہ حدیث نبوی کے بارے میں ان کا جھوٹ علم و تجربہ میں نہ آیا ہو) ان کی روایت بھی قابلِ قبول نہیں، امام مالک کا ارشاد ہے:۔

لا یؤخذ العلم عن اربعة	چار آدمیوں سے یہ علم نہیں حاصل
رجل معلن بالسفه وان	کیا جائے گا، ایک وہ آدمی جس کی
کان یروی الناس، ورجل	بیوقوفی آشکارا ہو، اگرچہ وہ بہت
یکذب فی احادیث الناس	زیادہ روایت کرنے والا ہو، اور

---

[1] اختصار علوم الحدیث صا۱۰

وان کنت لا اتهمه ان یکذب علیٰ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وصاحب ھوی یدعو الناس الی ھواہ وشیخ لہ فضل وعبادۃ اذا کان لا یعرف ما یحدث بہ[1]

دوسرا وہ آدمی جو لوگوں سے گفتگو میں جھوٹ بولتا ہو، اگرچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس پر جھوٹ بولنے کی تہمت نہ ہو، تیسرا وہ مبتدع جو اپنی بدعت کی طرف داعی ہو، اور چوتھے وہ شخص بھی جو اگرچہ صاحب فضل وعبادت ہو، مگر اپنی بیان کردہ حدیث کی اس کو معرفت نہ ہو، تو اس سے بھی حدیث نہ قبول کی جائے گی۔

عام گفتگو میں جس شخص کا کذب ثابت ہو چکا ہو، ایسا شخص اگر اپنے کذب سے توبہ کرلے اور اس کے بعد اس کی عدالت بھی ثابت ہو جائے، تو جمہور علماء کے نزدیک اس کی توبہ قابلِ قبول ہو گی، اور اس کی خبر پر بھی اعتماد کیا جائے گا، البتہ ابوبکر صیرفی کا اختلاف ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جس راوی کی روایت اس کے کذب کی وجہ سے چھوڑی جائے گی، اس کے توبہ کر لینے کے بعد بھی اس کی روایت قبول نہیں کی جائے گی[2]

(۳) اصحاب البدع والاھواء؟ ——— اس پر تو ائمہ حق کا اتفاق ہے کہ کسی مبتدع کی حدیث جب کہ اس کی بدعت موجب کفر ہو، یا وہ کذب کو حلال سمجھے، خواہ اس کی بدعت حد کفر تک نہ پہنچتی ہو، اس کی روایت قابلِ قبول نہیں ——— مبتدعین کی ان قسموں کے علاوہ باقی کے بارے میں ایک رائے یہ ہے کہ جو مبتدع اپنی بدعت کی طرف داعی ہو، اس کی بھی روایت قابلِ قبول نہیں، حافظ ابن کثیر فرماتے

---

[1] الجرح والتعدیل ج ۱ ص ۳۲، والکفایہ ص ۱۱۶ [2] الباعث الحثیث ص ۱۰۲

ہیں کہ متقدمین و متاخرین کا اس میں اختلاف رہا ہے، اور جس پر اکثر لوگ ہیں، وہ یہ ہے کہ داعی و غیر داعی کے درمیان تفصیل ہے۔ یہی امام شافعیؒ سے بھی صراحۃً نقل کیا گیا ہے مگر ابن حبان نے اس پر نقل کیا ہے کہ ہمارے ائمہ کے نزدیک قاطبۃً اس سے استدلال جائز نہیں۔

ولا اعلم فیہ اختلافاً۔ (اور مجھے اس میں کسی اختلاف کا علم نہیں)

لیکن ابن حبان کا قول صحیح نہیں معلوم ہوتا، کیونکہ امام بخاریؒ نے عمران بن خطان خارجی سے جو عبدالرحمٰن بن ملجم (حضرت علیؓ کے قاتل) کا مداح تھا، روایت کی تخریج کی ہے، حالانکہ عمران خارجیت کا بہت بڑا داعی تھا، نیز امام شافعیؒ نے بھی فرمایا ہے کہ اہل اہواء (مبتدعین) کی شہادت میں قبول کروں گا، سوائے روافض میں فرقہ خطابیہ کے، کیونکہ وہ اپنے موافقین کے لئے جھوٹی شہادت کو جائز سمجھتے تھے[1]

امام عبدالقاہر بغدادی نے اپنی کتاب "الفرق بین الفرق" میں نقل کیا ہے کہ امام شافعیؒ آخیر زندگی میں اہل اہواء کے بارے میں اپنی رائے سے ہٹ گئے تھے، اور استثناء میں معتزلہ کا بھی اضافہ کر لیا تھا[2] مبتدعین کے بارے میں ائمہ حدیث کا یہ اصول تو معلوم اور معروف ہے کہ ان کی وہ روایت قبول نہیں کی جائے گی، جس سے ان کی بدعت کی تائید ہوتی ہو، اسی طرح کسی ایسے مبتدع کی روایت بھی قبول نہیں کی جائے گی جس کا تعلق کسی ایسے گروہ سے ہو جو اپنی اغراض کے لئے دروغ بیانی کو مباح سمجھتا ہو، اسی لئے ایسے اہل بدعت کی جو صدق و امانت میں مشہور تھے، وہ روایتیں قبول کر لی گئی ہیں جن کا ان کی بدعات سے کوئی تعلق نہیں ہے، جیسے عمران بن خطان[3]

علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں، ایک صغریٰ، دوسری کبریٰ، بدعت صغریٰ جیسے شیعیت جس میں غلو و زیادتی ہو (مثلاً حضرت عثمانؓ کے مقابلہ میں حضرت علیؓ کی صرف تفضیل کا عقیدہ ہو) اس طرح کی شیعیت تو بہت سے تابعین و

---

[1] اختصار علوم الحدیث ص ۹۹، ۱۰۰ و تدریب ص ۲۲۰ [2] الفرق بین الفرق ص ۳۵۵ [3] الباعث الحثیث ص ۱۰۱

تبع تابعین میں ان کے تدین و تقوے اور صدق و امانت کے باوجود تھی، اگر ان لوگوں کی حدیث کو رد کر دیا جائے تو بہت سے آثار نبوی کا سرمایہ ختم ہو جائے گا، اور اس صورت میں کھلی ہوئی خرابی ہے۔

بدعت کبریٰ جیسے رفض کامل اور اس میں غلو، مثلاً حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کی تنقیص کرنا اور اس کی طرف دعوت دینا، تو اس طرح کے لوگوں کی روایات ہرگز قابل استدلال نہیں، اور نہ ان کا کوئی مقام ہے، بلکہ اس جماعت کا ایک آدمی بھی میرے سامنے ایسا نہیں ہے جو سچا اور قابل اعتماد ہو، بلکہ کذب بیانی ان کا شعار اور تقیہ و نفاق ان کا محبوب مشغلہ ہے، پھر ایسے لوگوں کی روایات کو کیسے قبول کیا جا سکتا ہے، حاشا و کلا، غالی شیعی سلف کے زمانہ میں اور ان کی اصطلاح میں وہ لوگ ہیں جنہوں نے حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت معاویہؓ اور اس جماعت پر جس نے حضرت علیؓ سے جنگ کی تنقید کی اور برا بھلا کہا۔ ہمارے زمانے میں اور ہماری اصطلاح میں غالی وہ ہے جو ان اکابر کی تکفیر کرتا ہو، اور حضرات شیخینؓ سے بیزاری اختیار کرتا ہو، (معاذ اللہ) پس وہ گمراہ و مفتری ہے۔[1]

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں، تشیع متقدمین کے عرف میں نام ہے شیخینؓ کی تقدیم و تفضیل کے ساتھ حضرت عثمانؓ پر حضرت علیؓ کو فضیلت دینے کا۔[2]

(۴) زنادقہ و فساق اور وہ مغفل لوگ جو اپنی روایات کا مطلب نہیں سمجھتے اور نہ ان میں ضبط اور فہم کے صفات پوری طرح موجود ہیں، یہ بھی متروکین میں داخل ہیں۔[3]

وہ لوگ جنکی روایات میں توقف کیا جائیگا

ایسے لوگوں کی چند قسمیں ہیں:۔

(۱) جن کی جرح و تعدیل میں اختلاف ہو۔

(۲) جن سے بکثرت خطاء کا صدور ہو، اور ان کی اور ائمہ ثقات کی روایت میں

---

[1] میزان صہ ۴ [2] مقدمہ فتح الملہم صہ ۶۵ بحوالہ مقدمہ فتح الباری [3] اختصار علوم الحدیث صہ ۹۸

فرق و اختلاف ہو۔

(۳) نسیان کی کثرت ہو۔

(۴) حافظہ خراب ہو۔

(۵) اخیر عمر میں اختلاط پیدا ہوگیا ہو۔

(۶) وہ راوی جو ثقات وضعفاء، ہر ایک سے روایت لے لیتا ہو۔

مصطفےٰ سباعی مرحوم لکھتے ہیں:۔

"ان مضبوط و محکم بنیادوں پر ان حضرات ائمہ نے نقد احادیث اور صحیح وسقیم میں امتیاز کرنے کے لئے اپنی انتہائی کوششوں کو صرف کیا، بلاشبہ یہ ایسے بے داغ اصول ہیں جن کی قوت و گہرائی اور کفایت کا کوئی منصف انکار نہیں کرسکتا، پھر ہمارے علماء نے صرف اسی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ متن (و اسناد) کے تمام علل سابقہ سے محفوظ ہونے کے بعد اس حیثیت سے بھی اس پر نقد کیا کہ آیا اس میں اضطراب، شذوذ و اعلال تو نہیں ہے۔ ایسے ہی انہوں نے اس پر غور کیا کہ اس میں قلب یا غلطی اور ادراج کا امکان تو نہیں ہے"[1]

ان کے بہت سے شواہد و امثلہ کے لئے ملاحظہ ہو "تدریب الراوی و توجیہ النظر" وغیرہ کتب اصول۔

جرح و تعدیل میں ائمہ حدیث کے اختلاف کی حقیقت

حدیث کو پرکھنے اور جانچنے کے جو محکم قاعدے اور ضابطے محدثین کرام نے مرتب کئے ہیں، ان پر کسی طرح اعتراض کی گنجائش نہیں البتہ

---

[1] السنۃ ص ۱۱۵ مکانتہا فی التشریع الاسلامی۔

جو لوگ اس مقدس فن سے ناآشنا ہیں اور جن کا مقصد ہی اس فن کو مشکوک بنانا ہے، اُن کی طرف سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ کسی ایک راوی کی صداقت وعدالت میں دو محدثوں کا بھی اتفاق نہیں، اگر ایک محدث اس کو ثقہ قرار دیتا ہے تو دوسرا ضعیف، یا اس کے برعکس معاملہ ہے، چنانچہ ڈاکٹر احمد امین وغیرہ نے اس دعوے پر علامہ ذہبی کی ایک عبارت سے استدلال کیا ہے، علامہ موصوف فرماتے ہیں۔

لم یجتمع اثنان من علماء هٰذا الشان علیٰ توثیق
ضعیف ولا علیٰ تضعیف ثقة [1]

مگر واقعہ یہ ہے کہ حافظ ذہبی کے الفاظ پر معمولی غور کرنے سے اس مفہوم کی تردید ہوتی ہے جو ان لوگوں نے مراد لیا ہے۔

مصطفےٰ اسباعی مرحوم لکھتے ہیں :۔

"حافظ ذہبی کے کہنے کی غرض یہ ہے کہ ائمہ جرح وتعدیل نقد رجال میں نہایت تثبت واحتیاط سے کام لیتے ہیں، وہ ایسا نہیں کرتے کہ ایک راوی جو ضعف میں مشہور ہو، اس کی توثیق کردیں یا کسی ایسے راوی کو جو تثبت اور صدق میں مشہور ہے اس کو ضعیف قرار دیدیں، البتہ ان حضرات کا اختلاف ان راویانِ حدیث کے بارے میں ہوا ہے جو ضعف وثقاہت میں مشہور نہ ہوں۔ الغرض یہ حضرات راوی کا اسی حیثیت سے تذکرہ کرتے ہیں جو اس میں حقیقت ہوتی ہے، حافظ ذہبیؒ نے اپنے قول" علیٰ توثیق ضعیف ولا علیٰ تضعیف ثقة "سے اگر وہی مراد لیا ہوتا، جو ڈاکٹر احمد امین وغیرہ نے سمجھا ہے، تو الفاظ یہ ہوتے" مالم یجتمع اثنان علیٰ

---

[1] تدریب طبع جدید ص ۲۰۲

توثیق راو ولا علیٰ تضعیفہ" جو رواۃ ضعف یا ثقاہت میں مشہور نہیں ہیں، ان کے بارے میں ائمہ فن کا اختلاف ہوا ہے، اور اس کی دو صورتیں ہیں[1]

(۱) کبھی یہ اختلاف اہل سنت والجماعت رواۃ کے بارے میں واقع ہوا ہے اور یہ اختلاف عام طور پر ائمہ جرح و تعدیل کے نقطہائے نظر کے اختلاف پر مبنی ہے جو ان میں باہم ایک راوی کے صدق وکذب یا اس کی عدالت و فسق اور اس کے حفظ ونسیان میں ہوا کرتا ہے۔

(۲) کبھی یہ اختلاف اہل بدعت رواۃ کے بارے میں ہوا ہے، اس صورت میں ائمہ جرح و تعدیل نے مجرد مذہبی اختلاف کی بنا پر نقد نہیں کیا ہے بلکہ اپنے مخالف پر جرح اسوقت کی ہے، جب اس کی بدعت کفر کی طرف داعی ہو، یا وہ صحابہ کرامؓ پر تنقیدیں کرتا ہو، یا وہ اپنی طاعت کی طرف داعی ہو، یا داعی تو نہیں ہے مگر اس کی بدعت اس کے باطل عقیدہ کے موافق ہو، ان سب صورتوں میں راوی کی عدالت مشکوک سمجھی جائے گی۔ فی الواقع جرح کا مدار راوی کے صدق وثقاہت پر ہے نہ کہ مجرد مذہبی اختلاف پر۔ کتب ستہ وغیرہ کتابوں میں مبتدعہ کی ایک جماعت سے روایت کی تخریج کی گئی ہے، جن کے بارے میں تاریخ سے ثابت ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولتے تھے۔ جیسے عمران بن خطان خارجی اور ابان بن تغلب شیعی، حافظ ذہبی، ابان

---

[1] السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی صـ۲۲۵ و میزان الاعتدال ج ۱ صـ۲

بن تغلب کوفی کے ترجمہ میں لکھتے ہیں " شیعی لکنہ صدوق فلنا صدقہ وعلیہ کذبہ "

اہل بدعت رواۃ کی روایت محدثین کرام نے جن شرائط کے ساتھ قبول کی ہے اس پر تفصیلی گفتگو ہم پہلے کر چکے ہیں۔

جرح کے معتبر ہونے کیلئے اسباب کا بیان کرنا ضروری ہے کسی راوی پر جرح و نقد کے معتبر ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے اسباب بیان کئے جائیں، محدثین کرام نے مستقل ضابطہ بنا دیا ہے کہ جرح مبہم معتبر نہیں، کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ناقد کی جرح میں غلطی و عصبیت بھی شامل ہو جاتی ہے جس میں حقیقت و واقعیت نہیں ہوتی، جیسے اہل حدیث اور اہل رائے کا باہم اختلاف مشہور ہے کہ اہل حدیث اجتہاد کے باب میں اہل رائے سے متفق نہ تھے اس لئے بہت سے ائمہ رائے کو ضعفاء میں شمار کر دیا ہے، حتیٰ کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ پر ان کے زہد و تقویٰ اور جلالتِ شان کے باوجود بہت سے لوگوں نے کلام کیا ہے، اسلئے تعدیل کے مقبول ہونے کے لئے اسباب کا بیان کرنا ضروری قرار دیا گیا۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اسباب جرح کا بیان کرنا اس لئے ضروری قرار دیا گیا کہ بسا اوقات جرح کرنے والا ایسی چیز کو جرح کا سبب قرار دیتا ہے جو موجبِ جرح نہیں ہوتی، مجھے ایک شخص پر جرح کی خبر پہنچی تو میں نے ناقد سے اس کا سبب دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ میں نے اس کو کھڑے ہو کر پیشاب کرتے ہوئے دیکھا تھا، اب اس کے کپڑے ناپاک ہوئے ہوں گے، اور اسی حالت میں اس نے نماز پڑھی ہوگی تو صدوق کہاں رہا؟ میں نے اس سے کہا کہ تم نے انھیں کپڑوں میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تھا؟ تو اس نے جواب دیا نہیں، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس طرح کی جرح لغو و باطل ہے[1] نیز اس کا کھڑے ہو کر پیشاب کرنا ممکن ہے کہ کسی عذر کی بنا پر رہا ہو۔

---

[1] الکفایہ ص۱۰۸

حافظ ابن کثیر تحریر فرماتے ہیں کہ۔

بخلاف الجرح فانه لایقبل	برخلاف جرح کے یہ قابل قبول نہیں
إلا مفسرًا لاختلاف الناس	جب تک کہ مفصل نہ ہو، اس لئے
فی الاسباب المفسقة	کہ فاسق بنانے والے اسباب میں
فقد یعتمد الجارح شیئًا	لوگوں کا اختلاف ہے، کبھی جرح
مفسقا فیضعفه ولا یکون	کرنے والا ایک چیز کو موجب فسق سمجھ
کذلك فی نفس الامر	کر جرح کر دیتا ہے اور حقیقتِ حال
او غیره و لهٰذا شرط	اس کے خلاف ہوتی ہے، اسی لئے
بیان السبب فی الجرح	بالاتفاق سبب جرح کا بیان کرنا ضروری
بغیر خلاف[1]	قرار دیا گیا۔

اس سلسلے میں حافظ بن صلاح لکھتے ہیں کہ کوئی جرح مقبول نہیں جب تک کہ اس کا سبب نہ بیان کیا جائے، کیونکہ بسا اوقات جارح ایسی جرح کرتا ہے جو موجب جرح نہیں ہوتی، فلابد من بیان سببه لینظر هل هو جرح ام لا[2] خطیب بغدادی فرماتے ہیں کہ شیخین وغیرہ حفاظ حدیث کا یہی مسلک ہے[3]

یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ جرح مبہم صرف ان رواۃ کے بارے میں معتبر نہ ہوگی، جس کی پہلے کسی محدث نے توثیق کی ہو۔ چنانچہ شیخ الاسلام حافظ بن حجر فرماتے ہیں کہ جس راوی کی کسی امام فن نے توثیق کی ہے، اس کے بارے میں کسی کی بھی جرح اس وقت تک قابل قبول نہ ہوگی جب تک کہ مفسر نہ ہو، اور اگر اس راوی کی ثقاہت ثابت ہو چکی ہو تو اس کو زائل کرنے کے لئے واضح دلیل کی ضرورت ہے کیونکہ ائمۂ فن نے اس راوی کی دیانت و روایت کا پورا اندازہ لگا کر اور پرکھ کر فیصلہ

---

[1] اختصار علوم الحدیث ص۱۰۱ [2] مقدمہ ابن صلاح طبع قدیم ص۳۸

[3] الکفایہ ص۱۰۹ ولسان المیزان ج۱ ص۱۵ و تدریب ص۲۰۳۔

کیا ہوگا، ان کے فیصلے کو باطل کرنے کے لئے صریح دلیل چاہیے، البتہ اگر کسی محدث نے اس کی توثیق نہیں کی ہے تو پھر ماہر فن کی جرح مبہم قبول کی جائے گی [۵۱] امام بیہقی اور محمد بن نصر مروزی وغیرہ ائمہ کا بھی یہی خیال ہے کہ جس آدمی کی عدالت ثابت ہوچکی ہو اس کے بارے میں کسی کی جرح اس وقت قبول کی جائے گی جب وہ واضح طور پر اس کا سبب بھی بیان کردے [۵۲]

معاصرانہ رقابت و رنجش کے سبب جرح مردود ہے

اگر کسی قرینہ سے یہ معلوم ہو جائے کہ معاصرانہ رقابت یا رنجش یا خفگی کے سبب جرح کی جارہی ہے تو یہ جرح بالاتفاق ناقابلِ قبول ہے مولانا عبدالحیٔ لکھنویؒ تحریر فرماتے ہیں :۔

الجرح اذا صدر من تعصب	جرح جب تعصب یا عداوت یا باہمی
او عداوة او منافرة او نحو	منافرت وغیرہ سے صادر ہو تو وہ
ذلك فهو جرح مردود ولا	غیر معتبر ہے اور اس طرح کی جرح
يؤمن الا المطرود [۵۳]	سے شاید ہی کوئی محفوظ رہ سکا ہو۔

حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ معاصرین کی ایک دوسرے پر تنقید ناقابلِ التفات ہے جب کہ ثابت ہوجائے کہ یہ جرح عداوت یا مسلک کے اختلاف یا حسد کی بنا پر ہورہی ہے جس کی اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے صرف وہی لوگ اس طرح کی جرح سے محفوظ رہ سکتے ہیں ، انبیاء علیہم السلام وصدیقین کے سوا اور کسی کا تنقید سے محفوظ رہنا میرے علم میں نہیں ہے ۔ اگر میں چاہوں تو اس پر کئی کاپیاں سیاہ کرسکتا ہوں [۵۴]

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ بعض ائمہ نے ذاتی رنجش اور بعض نے اپنے معاصرانہ

---

۵۱ تدریب ص۲۰۴ ۵۲ فتح المغیث ص۱۳۰ ۵۳ الرفع والتکمیل طبع جدید ص۱۸۲
۵۴ میزان الاعتدال ج۱ ص۵۲

رقابت کے سبب جرح کی ہے، اور بعض ادنیٰ درجہ کے راوی نے اپنے سے اعلیٰ اور افضل اور کامل الضبط ثقہ راوی پر جرح کردی ہے، حافظ صاحب فرماتے ہیں فکل ھٰذا لا یعتبر، ایسی تمام جرحیں غیر معتبر ہیں[1]، مشہور مقولہ ہے "المعاصرۃ سبب المنافرۃ" اس لئے جب ایک معاصر عالم دوسرے پر نقد کر رہا ہو تو دیکھنا چاہیے کہ یہ جرح معاصرانہ رقابت کے سبب تو نہیں ہو رہی ہے، کیونکہ بشری تقاضے سے کبھی اس طرح کی رقابت پیدا ہو جاتی ہے اور کبھی یہ رقابت باہمی رنجش و عداوت تک پہنچ جاتی ہے۔

حافظ شمس الدین سخاوی فرماتے ہیں کہ رنجش و خفگی کی بنا پر جرح کا مرض عام طور پر دو معاصر عالموں کے درمیان زیادہ ہوتا ہے، بالخصوص متاخرین علماء میں اکثر مراتب میں تنافس اس کا سبب ہے، اسی لئے حافظ ابن البر مالکی نے جامع بیان العلم میں ایک مستقل باب قائم کر کے معاصرین کی آپس کی تنقیدوں کو جمع کر دیا ہے ....

دو معاصرین کے آپس کی جرح قابل قبول نہ ہوگی، جب تک کہ جرح پر واضح دلیل نہ قائم ہو، اور اگر ان دونوں کے درمیان عداوت ثابت ہو جائے تو وہ جرح بدرجۂ اولیٰ قابلِ رد ہوگی[2]

تنبیہ ایک شبہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ جرح و تعدیل کی کتابوں میں عام طور پر جرح کا سبب نہیں بیان کیا گیا ہے، بلکہ اکثر ان مصنفین نے فلانٌ ضعیفٌ فلانٌ لَیْسَ بِشَیْئٍ، وَھٰذا حَدِیثٌ ضَعِیفٌ پر اکتفا کیا ہے، علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے راوی کا مشکوک ہونا معلوم ہو گیا، اس لئے اس کے بارے میں توقف کیا جائے گا، غور و فکر اور تحقیق کے بعد اگر شبہ کا ازالہ ہو جائے تو اس راوی کی روایت قبول کر لی جائے گی، صحیحین کے بہت سے رُواۃ کے بارے میں ایسا ہی ہوا ہے[3]

---

[1] مقدمہ فتح الباری ص ۴۳۶ .... [2] فتح المغیث ص ۴۱۴ [3] تدریب ص ۲۰۲

جرح مبہم تعدیل پر مقدم ہے اگر جرح مبہم ہے، اس کے اسباب بیان نہیں کئے گئے ہیں، تحقیق و جستجو کے بعد بھی کوئی وجہ معلوم نہ ہو سکی، جس سے راوی کی عدالت ساقط ہو جائے تو ایسی صورت میں جن ائمہ نے اس راوی کی عدالت کو بیان کیا ہے، ان کے بیان کو ترجیح دی جائے گی۔ مولانا عبد الحئ لکھنوی لکھتے ہیں "جرح غیر مفسر تعدیل پر مقدم نہیں بلکہ غیر مفسر جرحوں پر خود تعدیل مقدم ہے"[1]

جن ائمہ کی امامت کو امت نے تسلیم کر لیا ہے ان پر کسی کی جرح معتبر نہیں

علامہ تاج الدین سبکی فرماتے ہیں کہ "الجرح مقدم علی التعدیل" کا ضابطہ ہر جگہ نہیں استعمال نہیں کیا جائے گا، بلکہ جس راوی کی عدالت و ثقاہت ثابت ہو چکی ہو اس کے بارے میں مدح و توثیق کرنے والوں کی کثرت ہو، اس کے ناقدین قلیل ہوں اور کوئی ایسا قوی قرینہ موجود ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ جرح مذہبی تعصب کی بنا پر کی گئی ہے تو یہ جرح غیر معتبر ہے .... کسی ناقد کی جرح اس شخص کے حق میں مقبول نہ ہوگی جس کی طاعات معصیت پر غالب ہوں اور مذمت کرنے والوں کے مقابلہ میں مادحین کی کثرت ہو، اس کی توثیق کرنے والے ناقدین سے زائد ہوں، اور کوئی مذہبی تعصب یا دنیاوی تنافس کا ایسا قوی قرینہ بھی موجود ہے جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہی اس جرح کا باعث بنا، جیسا کہ معاصر علماء میں ہوا کرتا ہے، چنانچہ سفیان ثوری وغیرہ کا امام اعظم ابو حنیفہؒ پر، اور ابن ذئب وغیرہ کا امام مالک پر، اور ابن معین کا امام شافعیؒ پر، اور امام نسائی کا امام احمد بن صالح پر اسی طرح ہے۔ اگر ہر جگہ "الجرح مقدم علی التعدیل" کا ضابطہ برتا جائے تو کوئی بھی ایسا نہیں جو تنقید سے محفوظ رہ سکے[2]

---

[1] ظفر الامانی صلـ ۲۸۱ [2] مقدمہ اوجز المسالک صلـ ۶۵ بحوالہ الطبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۹-۱۰

حافظ ابن عبد البر مالکی لکھتے ہیں :-

"جن ائمہ کو امت نے اپنا امام بنالیا ہو، ان پر کسی کی تنقید معتبر نہ ہوگی"[1]

جرح وتعدیل کا منصب

اوپر جو ہم نے تفصیل بیان کی ہے اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جرح وتعدیل کا کام کس قدر نازک و دشوار ہے۔ یہ منصب ہر عالم کو بھی نہیں حاصل ہو سکتا، بلکہ یہ کام تو فی الواقع انھیں ائمہ کا تھا جو اس فن میں کامل مہارت و امامت کا مقام رکھتے تھے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے ان حضرات ائمہ کو اپنے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت کی حفاظت و پاسبانی کے لئے پیدا فرمایا تھا، آج کے موجودہ دَور میں کچھ لوگ ایسے پیدا ہو گئے ہیں جو اپنی ناقص و محدود عقل سے حدیثوں کو پرکھنے و جانچنے کی کوشش کر رہے ہیں جو نہ صرف فنِ حدیث سے ناواقف بلکہ اسلام کے اصول و مبادی سے ناآشنا ہیں، یہ درحقیقت یورپ کے مستشرقین کے تلامذہ اور مقلدین ہیں، مستشرقین نے جو زہر انھیں اسلام کے خلاف پلایا ہے اسی کا یہ لوگ مختلف انداز میں اظہار کر رہے ہیں، چنانچہ احادیث کی صحت وسقم کا اپنی جہالت کے باوجود فیصلہ کرنا اس کی واضح دلیل ہے اور یہ صریح گمراہی وضلالت ہے، یہ لوگ اپنی ناپاک کوشش کے ذریعہ اسلام میں شک وتذبذب پیدا کرنا چاہتے ہیں حالانکہ جرح وتعدیل کا منصب ان حضرات کے علاوہ جو دیانت وتقویٰ، حفظ و اتقان اخلاص وللّٰہیت کے علاوہ اس فن پر کامل عبور رکھتے ہوں اور کسی کو حاصل نہیں ہوسکتا۔

علامہ سیوطی نے تدریب الراوی میں علم حدیث کے تہتر انواع بیان کئے ہیں اور ہر نوع کی مختلف قسمیں ہیں، ابوحاتم بن حبان نے صرف حدیث ضعیف کے انچاس

---

[1] جامع بیان العلم ج ۲ صد ۱۹۵

اقسام بتائے ہیں [1] اس سے اس کی اہمیت و دشواری کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

حافظ شمس الدین سخاوی تحریر فرماتے ہیں :۔

"یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ ہر فن کے مسائل میں اہلِ فن کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، حق تعالیٰ شانہٗ نے علم حدیث کی حفاظت وصیانت کے لئے ایسے لوگوں کو کھڑا کیا، جنہوں نے علمِ حدیث کی تحصیل اور اس کے رجال وعلل وغوامض کی معرفت میں اپنی زندگیاں فنا کردیں، پس ایسے اصحاب معرفت اور ایسے کامل متبحرین کے نقش قدم کی پیروی اور ایسے حفاظِ وقت کے پاس کثرتِ صحبت و رفاقت و جودتِ فہم اور دائمی طور پر مطالعہ سنن کی معرفت کا باعث ہو سکتی ہے، نیز بغیر لزوم صحبت و کثرتِ مطالعہ اور بدون امعانِ نظر و وسعت حافظہ کے ان کے فیصلوں اور رجال وعلل کا سمجھنا اور سنن نبویؐ کی معرفت حاصل ہونا دشوار ہے" [2]

علامہ ذہبی لکھتے ہیں :۔

"جرح وتعدیل کا منصب کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا، جب تک کہ اس کی دائمی طلب وجستجو، کثرتِ مذاکرہ، راتوں کی بیداری ذکاوت وفہم کے ساتھ ساتھ تقویٰ و مضبوط دینداری اور انصاف پسندی، علمائے وقت کی خدمت میں حاضر باشی اور کمال ضبط کے اوصاف سے متصف نہ ہو" [3]

مولانا عبد العلی بحر العلوم لکھنوی (م ۱۲۲۵ھ) فرماتے ہیں :۔

"ناقدِ فن کے لیے ضروری ہے کہ وہ عادل ہو، جرح وتعدیل کے

---

[1] ظفر الامانی ص۶۵ [2] فتح المغیث ص۹۹ [3] تذکرۃ الحفاظ ج۱ ص۴

اسباب سے واقف ہو، انصاف پسند و خیر خواہ ہو، متعصب ومتکبر نہ ہو، کیونکہ متعصب کا قول غیر معتبر ہے[1]۔"

علامہ نوویؒ رقمطراز ہیں :-

انما یجوز الجرح لعارف به اما اذا لم یکن الجارح من اھل المعرفة فلا یجوز له الکلام فی احد[2]	جرح صرف ماہر فن کا حق ہے، اگر جارح اہل معرفت میں نہیں ہے اس کے لئے کسی پر نقد جائز نہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں :-

وان صدر من غیر عارف بالاسباب لم یعتبر به[3]	جرح اگر ایسے شخص سے صادر ہو، جو اسباب جرح سے ناواقف ہے تو وہ جرح غیر معتبر ہے۔

ائمۂ جرح وتعدیل کے درجات

ائمۂ جرح وتعدیل کے مختلف درجات ہیں، حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ ناقدین فن کے ہر طبقے میں متشدد و متوسط دونوں طرح کے حضرات رہے ہیں۔

طبقۂ اولیٰ میں شعبہ وسفیان ثوری ہیں، مگر شعبہ سفیان سے سخت ہیں۔

طبقۂ ثانیہ میں یحییٰ بن سعید قطان وعبدالرحمٰن بن مہدی ہیں مگر یحییٰ عبدالرحمٰن سے سخت ہیں۔

طبقۂ ثالثہ میں یحییٰ بن معین وامام احمد بن حنبل ہیں، مگر یحییٰ امام احمد سے سخت ہیں۔

طبقۂ رابعہ میں ابو حاتم وامام بخاری ہیں، مگر ابو حاتمؒ امام بخاری سے سخت ہیں[4]۔

حافظ سخاوی نے علامہ ذہبی کا قول نقل کیا ہے جس سے اس کی مزید وضاحت ہوجاتی ہے۔ علامہ موصوف فرماتے ہیں :-

---

[1] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت ج۲ ص۱۵۴ [2] مقدمہ شرح مسلم از نووی ص۲۰

[3] شرح نخبہ [4] مقدمہ زہر الربیٰ علی المجتبیٰ از سیوطی ص۱

"ایک جماعت ان ائمہ کی ہے جو جرح میں تشدد اور تعدیل میں تثبت و احتیاط سے کام لیتے ہیں۔ راوی کی دو تین غلطی پر بھی نقد کر دیتے ہیں، یہ جب کسی راوی کی توثیق کریں، تو اس کے قول کو دانتوں سے پکڑ لو، اور جب کسی راوی کو ضعیف قرار دیں، تو غور کر لو کہ آیا اس کے فیصلے کی کسی امام نے موافقت کی ہے؟ اگر کسی امام نے موافقت کی ہے، اور کسی ماہر فن نے توثیق بھی نہیں کی ہے تو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ راوی ضعیف ہے اور اگر اس کی کسی امام نے توثیق کی ہے تو ایسے راوی کے بارے میں محدثین کا ضابطہ ہے کہ اس کے بارے میں جرح اس وقت مقبول ہوگی جب کہ مفسر ہو، مثلاً ابن معین نے کسی راوی کو ضعیف قرار دیا اور امام بخاری وغیرہ اس کی توثیق کر رہے ہوں تو مجرد ابن معین کے ضعیف کہہ دینے کی وجہ سے وہ راوی ضعیف نہیں سمجھا جائے گا، جب تک کہ وہ ضعف کا سبب نہ بیان کریں۔"

دوسری جماعت ان ائمہ کی ہے جو تسامح و تساہل سے کام لیتے ہیں، جیسے امام ترمذی، وحاکم، حافظ سخاوی فرماتے ہیں کہ حافظ ابن حزم بھی اسی جماعت میں شامل ہیں، چنانچہ انہوں نے بھی ابو عیسیٰ ترمذی، ابو القاسم بغوی، اسمٰعیل بن صفار، ابو العباس اصم وغیرہ مشہور ائمہ کو بھی مجہول قرار دے دیا ہے۔ [۵]

تیسری جماعت ان حضرات کی ہے جو نقطۂ اعتدال کو ملحوظ

---

[۵] حافظ ابن حزم نے سنن ترمذی و ابن ماجہ کو نہیں دیکھا تھا، اور ان کے زمانے میں یہ دونوں کتابیں اندلس میں داخل نہیں ہوئی تھیں۔ سیر اعلام النبلاء از ذہبی

رکھتے تھے، جیسے امام احمد و دار قطنی وابن عدی [1]

اسی طرح بعض اعتدال پسند ائمہ نے بھی بعض شہروں یا بعض مذاہب کے رُواۃ پر نقد میں تشدد سے کام لیا ہے، جیسے علامہ ذہبی وحافظ ابن تیمیہؒ کا اکابر محققین صوفیاء پر نقد [2] اسی طرح علامہ ذہبی نے اشاعرہ پر انتہائی تشدد سے نقد کیا ہے [3] اس طرح کی تنقیدیں بھی بحث وتحقیق کی محتاج بن جائیں گی۔

مولانا عبدالحیٔ لکھنوی تحریر فرماتے ہیں کہ ان متشددین کے فیصلہ کو قبول کرنے میں عجلت نہ کرنی چاہیے اور نہ اس کی صحت کا قطعی فیصلہ کرنا چاہیے، جب تک کہ دیگر ائمہ فن اور کبار ناقدین نے موافقت نہ کی ہو [4]

رواۃ کے بیان احوال میں محدثین کا طریقۂ کار

چونکہ احکام شریعت کا مدار نقل وروایت پر ہے، اس لئے ناقلین حدیث کے حالات بیان کرنے میں حفاظ حدیث نے نہایت غور وفکر سے کام لیا ہے، ان حضرات کا مقصد صحیح وسقیم کی معرفت ہے، اس لئے ان کے حالات کو بیان کرنے میں انتہائی اعتدال واحتیاط سے کام لیا ہے، ان لوگوں نے صرف انھیں امور سے بحث کی ہے، جس کا تعلق راوی کی عدالت یا اس کے حفظ واتقان سے ہے اور ان کے بحث کا اندازہ خالص علمی ہے، ان کے اس طریقہ بحث کا مندرجہ ذیل امور سے لگایا جاسکتا ہے۔

(۱) کسی راوی پر حکم لگانے میں اس کی خوبیوں اور نقائص دونوں پہلوؤں کو بیان کرتے ہیں، محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ اگر تم اپنے بھائی کے نقائص کو ذکر کرو، اور اس کی خوبیوں کو نظر انداز کردو تو اس پر ظلم ہوگا [5] اس سلسلے میں ان حضرات کی امانت داری اس درجہ پر پہونچی ہوئی تھی، اگر خود اپنی تحقیق کے خلاف کسی محدث کی صحیح بات پہنچ جاتی تو اس کو

---

[1] فتح المغیث ص۴۸۳ [2] الیواقیت والجواہر ج۱ ص۸ [3] طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج۱ ص۱۹۰ [4] تحفۃ الکملۃ علیٰ تحفۃ الطلبۃ ص۶ [5] السنۃ قبل التدوین بحوالہ الجامع الاخلاق الراوی والسامع ص۱۶۱

تسلیم کرنے میں انھیں انکار نہ تھا، شعبہ بن حجاج نے ایک حدیث روایت کی، ان سے کہا گیا کہ آپ سے اس میں اختلاف کیا گیا ہے، تو انہوں نے دریافت فرمایا کہ کس نے اختلاف کیا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ سفیان ثوری نے، تو شعبہ نے کہا کہ اس کو چھوڑ دو، کیونکہ سفیان مجھ سے زیادہ یاد رکھنے والے ہیں [۱]

(۲) ان حضرات نے حکم لگانے میں انتہائی دقتِ نظر کا ثبوت دیا ہے، انھوں نے راوی کے پورے حالات زندگی معلوم کرنے کی کوشش کی ہے، راوی کے کلام میں کس زمانے سے اختلاط پیدا ہوا، اس کے وہم کا سبب کیا ہے، راوی میں ضعف کا تعلق دین سے ہے یا حفظ و اتقان سے، ان ساری تفصیلات کا ریکارڈ ان لوگوں نے ہمارے سامنے رکھ دیا ہے۔

(۳) جرح و نقد میں ادب کو پوری طرح ملحوظ رکھا ہے، جو راوی وضعِ احادیث کرتا تھا، یا کذب علی النبیؐ کا مرتکب تھا، اس کے بارے میں فلاں وضاع یا کذّاب یا یفتری الکذب علے الصحابۃ رضی اللہ عنہم وغیرہ الفاظ استعمال کرتے تھے جو راوی کی حقیقتِ حال کے اظہار کے لئے ضروری تھے، لیکن بعض حضرات ان الفاظ سے بھی احتراز کرتے تھے اور صرف (لم یکن مستقیم الحدیث) وغیرہ الفاظ کہتے تھے [۲]

امام مزنی فرماتے ہیں کہ میرے استاد امام شافعیؒ نے ایک دن سُنا کہ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ فلاں کذاب، تو فرمایا! ابراہیم! (جو امام مزنی کا نام تھا) اس کے لئے اچھے الفاظ استعمال کیا کرو، کذاب کے بجائے "حدیث لیس بشئ" کہا کرو [۳]

(۴) راوی کی عدالت بیان کرنے میں اس کے اسباب نہیں بیان کرتے تھے کہ فلاں تہجد گزار ہے، یا اخلاق فاضلہ کا حامل ہے، لوگوں کو اذیت نہیں پہنچاتا، بلکہ

---

[۱] حوالہ مذکور ص۱۱۱ اس کی امثلہ کے لئے ملاحظہ ہو الکفایہ ص۱۳۵ و تقارمۃ الجرح والتعدیل ص۱۵۲، ۱۵۱

[۲] مقدمہ صحیح مسلم ج ۱ ص۲۱ الجرح والتعدیل ص۱۸، ۱۹ [۳] الاعلان بالتوبیخ ص۷

ثبتٌ، ثقۃٌ، صدوقٌ وغیرہ سے اس کی عدالت کو بیان کر دیا ہے لیکن عام طور پر جب راوی کی جرح بیان کرنا ہوتا ہے تو اس کے اسباب بھی بیان کر دیتے ہیں، جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں، لیکن جب ایک سبب جرح کے لئے کافی ہوا ہے تو دیگر اسباب سے گریز کیا ہے۔ حافظ سخاوی فرماتے ہیں لا یجوز التجریح بشیئین اذا حصل بواحد[1]

الفاظ جرح وتعدیل کے مراتب

جن راویانِ حدیث نے روایت کی خدمت انجام دی ہے ان میں اپنے علم وحفظ وضبط کے لحاظ سے باہم تفاوت ہے، بعض لوگ اعلیٰ مقام پر، بعض ان سے کمتر درجہ پر، اور بعض ایسے بھی ہیں جن سے وہم ہو جاتا تھا، یا ان کی عدالت وامانت کے باوجود ان سے سہو وخطاء کا صدور بھی بکثرت ہو جاتا تھا، اور ایک جماعت ان لوگوں کی ہے جنہوں نے ناجائز طور پر راویانِ حدیث کی صف میں داخل ہونے کی کوشش کی ہے، جن کے معاملہ کو ائمہ جرح نے واضح فرمایا ہے، اس لئے ائمہ فن نے ہر درجہ کے راوی کے لئے ایک معیار مقرر کیا ہے اور اس کے لئے مخصوص الفاظ ہیں، اگرچہ جرح وتعدیل کے ساتھ ہی ان الفاظ کے استعمال کا آغاز ہو چکا تھا، مگر سب سے پہلے ان الفاظ جرح وتعدیل کو ابو محمد عبد الرحمٰن بن حاتم رازی المتوفی ۳۲۷ھ نے مرتب کر کے پیش کیا[2]

ان کے بعد کے ائمہ فن نے ان الفاظ کی تشریح یا تفریع، یا ایسے امور پر تنبیہ کی ہے جن کا تعلق اس سے کسی حیثیت سے ہے، اصول حدیث یا بعض رجال کی کتابوں میں ان کو تفصیل یا اجمال سے ذکر کیا گیا ہے۔

علامہ سندی نے شرح نخبہ میں اور حافظ سخاوی نے (شرح الالفیہ)[3] میں نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے، جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے، چھ[4] درجے الفاظ جرح کے اور

---

[1] و [2] فتح المغیث ص۲۲۵ [3] شرح الالفیہ ص۱۵۶، ص۱۶۰

چھ درجے الفاظ تعدیل کے ہیں، اور ہر درجہ کے لئے ایک قاعدہ کلیہ ہے۔

مراتب الفاظ تعدیل

(۱) الفاظ تعدیل میں سب سے ارفع لفظ یہ ہے کہ کسی راوی کی توثیق ایسے لفظ سے کی جائے جس میں مبالغہ کے معنی پائے جائیں، یا افعل کے صیغہ سے اس کی تعدیل کی گئی ہو جیسے اوثق الناس اضبط النّاس، والیہ المنتھی فی التثبت، اور اسی درجہ میں لا اعرف له نظیرًا فی الدنیا ہے۔

(۲) توثیق ایسی صفت کے ساتھ کی گئی ہو، جو راوی کی توثیق وعدالت پر دلالت کرے، خواہ اسی لفظ کو مکرر لایا گیا ہو، یا اس کے ہم معنی کوئی دوسرا لفظ ہو جیسے ثقة ثقة، ثقة مأمون، ثقة حافظ۔

(۳) توثیق ایسے لفظ سے کی گئی ہو، جو راوی کی عدالت کے ساتھ اس کے ضبط کو بھی ظاہر کر رہا ہو جیسے ثبت، متقن، حجة، امام۔

(۴) ایسے لفظ سے راوی کی توثیق کی گئی ہو کہ اس میں ضبط واتقان ظاہر نہ ہو رہا ہو، جیسے صدوق، مأمون، لا بأس به۔

(۵) راوی کی توثیق ایسے لفظ سے کی گئی ہو، جو راوی کی صداقت کی طرف اشارہ کرے، مگر اس کے ضبط پر دلالت نہ کرے، یہ چوتھے مرتبہ کے قریب قریب ہے مگر اس کا درجہ اس کے بعد ہے، جیسے محلة الصدق، صالح الحدیث۔

(۶) ایسے لفظ سے توثیق کی گئی ہو کہ راوی مجروح ہونے کے قریب پہنچ جائے جیسے پانچویں درجہ کے الفاظ کے ساتھ انشاء اللہ کا اضافہ کر دیا گیا ہو، یا شیخ لیس ببعید من الصواب، صُوَیلِحٌ صدوق اِن شاء اللہ۔

الفاظِ جرح کے مراتب

(۱) جو لفظ جرح مبالغہ پر دلالت کرے جیسے اکذب الناس، رکن الکذب۔

(۲) جرح کذب یا وضع کے سبب کی گئی ہو جیسے کذّاب، وضّاع یہ الفاظ بھی مبالغہ پر دلالت کرتے ہیں مگر ان کا مرتبہ پہلے درجہ کے بعد ہے۔

(۳) ایسے لفظ سے جرح کی گئی ہو جس سے راوی کا مُتّہَمْ بالکذب یا متّہم بالوضع ہونا معلوم ہوتا ہو جیسے متہم بالکذب ومتہم الوضع ویسرق الحدیث، اسی درجہ میں یہ الفاظ بھی ہیں، ھالك، متروك، لیس بثقة۔

(۴) ایسے لفظ سے جرح کی گئی ہو جو راوی کے ضعف شدید کو ظاہر کرے، جیسے رُدّ حدیثہٗ، طرح حدیثه، ضعیف جدا، ولیس شیٔ، لایکتب حدیثه۔

(۵) اس درجہ میں وہ تمام الفاظ داخل ہیں جو راوی کے ضعیف ہونے یا اس کے حفظ کے اضطراب پر دلالت کریں، جیسے مضطرب الحدیث، لایحتجّ به ضعّفوه، ضعیف، لهٗ مناکیر۔

(۶) راوی پر ایسے وصف کے ساتھ جرح کی گئی ہو، جو اس کے ضعف کی طرف اشارہ کرے، لیکن تعدیل سے بھی قریب ہو، جیسے لیس بذلك القوی، فیه ضعف، غیرهٗ أوثق منهٗ۔

ائمۂ فن کی مخصوص اصطلاحات

کتب اسماء الرجال سے استفادہ کے لئے ائمہ فن کی مخصوص اصطلاحات اور ان کے درجات کا جاننا ضروری ہے، حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں:۔

"ثم اصطلاحات لاشخاص ینبغی التوقیف علیها[1]
یعنی بعض محدثین کی مخصوص اصطلاحات ہیں جن سے واقفیت ضروری ہے۔"

اس کی تفصیلی بحث کے لئے مولانا عبدالحئی لکھنوی کی کتاب "الرفع والتکمیل" کا مطالعہ نہایت مفید ہے، ہم یہاں چند باتوں کی طرف اجمالی اشارہ کر رہے ہیں۔

(۱) امام یحییٰ بن معینؒ کی مخصوص اصطلاحات

میزان الاعتدال وغیرہ کتابوں میں بعض راویانِ حدیث کے

---

[1] اختصار علوم الحدیث ص۱۰۵

بارے میں ابن معین کا یہ قول نقل کیا گیا ہے " انہ لیس بشئ " اس سے کسی کو دھوکا نہ کھانا چاہیے کہ ابن معین نے اس راوی پر کوئی قوی جرح کردی ہے، بلکہ ابن معین کی یہ مخصوص اصطلاح ہے، اس سے مراد ان کی یہ ہوتی ہے کہ اس راوی کی حدیثیں قلیل ہیں[1]۔

ابن ابی خیثمہ نے یحییٰ بن معین سے دریافت کیا کہ آپ کسی راوی کے بارے میں فرماتے " فلان لیس بہ بأس " " فلان ضعیف " تو اس کا کیا مطلب ہے، تو ابن معین نے جواب دیا کہ جب میں (لیس بہ بأس) کہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ثقہ ہے اور جب (ضعیف) کہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ثقہ نہیں ہے اور نہ اس کی حدیث لکھنے کے قابل ہے[2]۔

ابن معین جب کسی راوی کے بارے میں " یکتب حدیثہ " فرمائیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ راوی ضعفا کی جماعت میں شامل ہے[3]۔

(۲) امام بخاری کے قول فیہ نظرٌ و فلانٌ سکتوا عنہ کا مطلب

امام بخاری جب کسی راوی کے حق میں " فیہ نظرٌ " و " فلانٌ سکتوا عنہ " امام صاحب کا یہ قول ان لوگوں کے حق میں ہے جن کی حدیثوں کو لوگوں نے ترک کردیا ہے[4] اسی طرح امام بخاری جب کسی راوی کے حق میں " منکر الحدیث " فرمائیں، تو ان کی غرض یہ ہوتی ہے کہ اس راوی سے روایت جائز نہیں[5] اور جب اسی لفظ کو امام احمد وغیرہ کسی راوی کے حق میں فرمائیں تو اس سے لازم نہیں آتا کہ وہ راوی ناقابل استدلال ہے بلکہ اس کا اطلاق اس حدیث غریب پر کرتے ہیں جس کا کوئی متابع نہ ہو[6]۔

(۳) روی المناکیر و منکر الحدیث میں فرق

روی المناکیر، یروی المناکیر، و فی حدیثہ نکارۃ کے درمیان اور

---

[1] مقدمہ فتح الباری، ج ۲ ص ۱۴۲ [2] فتح المغیث ص ۱۵۹ [3] میزان الاعتدال، ج ۱ ص ۳۳

[4] شرح الفیۃ الحدیث للعراقی ص ۱۱ ج ۲ [5] میزان الاعتدال طبع جدید ج ۱ ص ۴۱۲

منکر الحدیث کے درمیان فرق ہے ، پہلے تینوں الفاظ میں سے اگر کوئی لفظ کسی راوی کے لئے استعمال کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس پر قابلِ لحاظ جرح کردی گئی اور "منکر الحدیث" اگر کسی راوی کو کہا گیا ہے تو اس سے اس پر قابلِ لحاظ جرح شمار نہ ہو گی [1]

اسی طرح علماء متقدمین اور متاخرین کے درمیان 'ھٰذا حدیث منکر' کہنے میں فرق ہے ، متقدمین اس سے راوی کا متفرد ہونا مراد لیتے تھے ، اگرچہ راوی ثقہ ہو ، اور متاخرین اس کا اطلاق اس روایت پر کرتے ہیں جب ضعیف راوی ثقات کی مخالفت کرے [2]

(۴) علامہ ذہبیؒ کی اصطلاحات "میزان الاعتدال" میں حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ جس راوی کے بارے میں 'میں کہوں (مجہول) اور اس قول کی نسبت کسی کی طرف نہ کروں تو جان لینا چاہیے کہ وہ ابو حاتم کا قول ہے [3]

اور اگر میں کسی راوی کے حق میں "فیہ جہالۃ ، او نکرۃ ، یجھل ، لا یعرف یا اسی طرح کے الفاظ استعمال کروں اور قائل کو نہ لکھوں تو یہ خود میرا اپنا قول ہوتا ہے جس طرح ثقۃٌ ، صدوقٌ ، صالحٌ ، لیّنٌ ، وغیرہ الفاظ کسی کی طرف منسوب نہ ہوں تو وہ میرا قول ہے ، اور میرا ہی اجتہاد ہے ، فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی کتاب میزان میں تمام غیر معروف رواۃ کا استیعاب نہیں کیا ہے بلکہ اس طرح کے بہت سے حضرات کا ذکر کیا ہے ، لیکن ابو حاتم جن رواۃ کے حق میں مجہول کہتے ہیں ، ان کا استیعاب ہے [4]

(۵) ابو حاتم کے مجہول کہنے کا مطلب ابو حاتم کے کسی راوی کو مجہول کہنے اور دیگر محدثین کے مجہول کہنے میں فرق ہے [5] ، اس

---

[1] فتح المغیث ص۱۴۲ [2] میزان ج ۱ ص۵ [3] میزان ج ۱ ص۹

[4] مقدمہ فتح الباری ص۱۴۴ ج ۲ ۔ [5] ابو حاتم مجہول سے مجہول الحال ہونا مراد لیتے ہیں اور دیگر محدثین اس سے مجہول العین ہونا مراد لیتے ہیں ۔

لئے ابوحاتم اگر کسی راوی کو مجہول کہیں تو اس سے دھوکا نہیں کھانا چاہئے جب تک کہ دوسرے ائمۂ نقد نے ان سے اتفاق نہ کیا ہو، حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ "حکم بن عبداللہ بصری" کو ابوحاتم نے مجہول کہا، حالانکہ وہ مجہول نہیں ہیں، ان سے چار ثقہ راویوں نے روایت کی ہے اور امام ذہلی نے ثقہ قرار دیا[1]

(۶) امام احمد بن حنبلؒ کی اصطلاح

حافظ ذہبی "یونس بن ابو اسحٰق عمرو السبیعی" کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن احمد نے کہا کہ میں نے اپنے والد (امام احمد بن حنبل) سے یونس بن اسحاق کے بارہ میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا "کذا وکذا" حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ استقراء کے بعد معلوم ہوا کہ اس طرح کے الفاظ میں راوی کی کمزوری کی طرف اشارہ کیا ہے[2]

(۷) ابن القطانؒ کی اصطلاح

ابوالحسن علی بن محمد بن عبدالملک فاسی م ۶۲۸ھ "ابن القطان" سے مشہور ہیں، ان کا قول "میزان الاعتدال" میں بعض رواۃ کے حق میں نقل کیا گیا ہے، مالم یعرف لہ حال لم تثبت عدالتہ یہ ابن قطان کی خاص اصطلاح ہے۔ حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ اس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ اس راوی کے کسی معاصر امام یا شاگرد سے اس کی کوئی توثیق منقول نہیں، اگرچہ وہ راوی فی نفسہٖ ثقہ ہو[3]

(۸) یحییٰ بن سعید قطان کے ترکہ کہنے کا مطلب

یحییٰ بن سعید قطان کا قول اگر "تہذیب التہذیب" یا "میزان" میں کسی راوی کے بارے میں "ترکہ یحییٰ" اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ راوی ناقابل استدلال ہوگیا، امام ترمذیؒ نے "کتاب العلل" میں صراحت کی ہے۔ یحییٰ بن سعید قطان کا مطلب یہ ہے کہ وہ راوی متہم بالکذب نہیں، صرف اس کے حافظہ کے کمزوری کے سبب اس راوی سے روایت ترک کردی ہے[4]

---

[1] مقدمہ فتح الباری ص ۱۲۳ ج ۲ [2] میزان ج ۳ ص ۳۳۹ [3] میزان ج ۱ ص ۱۶۰

[4] کتاب العلل للترمذی

(۹) محدثین کے کسی حدیث کو صحیح الاسناد کہنے کا مطلب

محدثین کرام جب کسی حدیث کے بارے میں ھذا حدیث صحیح الاسناد، یا حسن الاسناد، فرماتے ہیں، یہ ان کے حدیث صحیح یا حسن کہنے سے فروتر ہے، کیونکہ کبھی کسی حدیث کو صحیح الاسناد کہا جاتا ہے، حالانکہ وہ حدیث اپنے شاذ یا معلل ہونے کی وجہ سے صحیح نہیں ہوتی[۱] مگر جب کسی معتمد مصنف نے "صحیح الاسناد" کہا ہے اور اس کی کوئی علت قادحہ نہیں بیان کی اور نہ ہی کوئی جرح کی، تو بظاہر یہ فیصلہ کیا جائے گا کہ وہ حدیث فی نفسہ صحیح ہے کیونکہ علت و جرح کا نہ ہونا ہی اصل ہے۔ بظاہر اس مصنف نے تلاش و تفتیش کے کے بعد ہی فیصلہ کیا ہوگا۔

(۱۰) کسی حدیث کے صحیح یا حسن یا ضعیف کہنے کا مطلب

جب محدثین کرام کسی حدیث کے صحیح یا حسن ہونے کا فیصلہ کریں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ظاہر اسناد کو دیکھ کر یہ فیصلہ کیا گیا ہے، نفس الامر میں قطعی طور پر صحت کا فیصلہ نہیں ہے، اس لئے ثقہ راوی سے بھی خطا و نسیان کا امکان ہے، اسی طرح "حدیث ضعیف" کا مطلب بھی یہی ہے کہ حدیث میں صحت کے شرائط نہیں پائے گئے، نہ یہ کہ نفس الامر میں وہ حدیث باطل ہے، اس لئے کہ جھوٹے راوی سے بھی صدق کا اور کثیر الخطا سے صواب کا بھی امکان ہے۔

(۱۱) محدثین کرامؒ کے لایصح ولایثبت فرمانے کا مطلب

جب کسی حدیث کے بارے میں "لایصح" یا "لایثبت" کہا جائے تو اس سے یہ لازم نہیں آیا کہ وہ حدیث موضوع ہے یا ضعیف ہے، ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ عدم ثبوت سے حدیث کا موضوع ہونا لازم نہیں آتا[۲] حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں "حدیث کو" لایصح "کہنے سے اس کا موضوع ہونا لازم نہیں آتا[۳]

---

[۱] مقدمہ ابن صلاح ص۲۳ [۲] تذکرۃ الموضوعات للقاری ص۸۲ [۳] شرح الفیہ للواقی ج۱ ص۱۵

ممکن ہے وہ حدیث حسن یا حسن لغیرہ ہو[1]۔

ان اصطلاحات کا علم اسماء الرجال اور فن جرح و تعدیل کے طالب علم کے لئے جاننا ضروری ہے، ورنہ اس فن کی کتابوں سے استفادہ میں بہت سی غلطیوں کا امکان ہے، تفصیلی بحث کے لئے ملاحظہ ہو مولانا عبدالحئیؒ لکھنوی کا رسالہ "الرفع والتکمیل" مع تعلیق عبدالفتاح ابوغدہ۔

حدیث کی تصحیح و تضعیف کا مقام

جرح و تعدیل کے جو قاعدے ضابطے اوپر بیان کیے گئے کتب اسماء الرجال سے استفادہ کے لئے ان کا پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

ان اصولوں کی روشنی میں محدثین کرام نے جس روایت کو صحیح یا حسن ضعیف یا موضوع قرار دیا ہے، اس کی علت و سبب کو معلوم کیا جا سکتا ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان اصولوں کو سامنے رکھ کر تمام ذخیرۂ احادیث پر ہر شخص رائے زنی کرنے لگے، کیونکہ مجرد اسناد کو دیکھ کر اس دور میں حدیث کی تصحیح و تحسین دشوار ہے۔ شیخ ابن صلاح المتوفی ۶۴۳ھ نے تو علماء متاخرین کو انکی ضعفِ نظر کی بنا پر اس کی اجازت نہیں دی ہے، فرماتے ہیں:۔

فقد تعذر فی هذه الاعصار الاستقلال بادراك الصحيح بمجرد الاسانيد (الی) قال الامر فی معرفة الصحيح و الحسن الی الاعتماد علی ما نص عليه ائمة الحديث[2]	صرف اسانید کے اعتبار پر اس زمانے میں مستقل طور سے حدیث صحیح کا ادراک دشوار ہے، اس لئے بالآخر حدیث کے صحیح و حسن کی معرفت میں ائمہ متقدمین کے فیصلہ پر اعتماد کرنا پڑے گا۔

حافظ سخاوی لکھتے ہیں کہ اس کا دروازہ شیخ ابن صلاح اس لئے بند کرنا چاہتے

---

[1] القول المسدد ص ۳۹ [2] نتائج الافکار ص ۲۳ [3] مقدمہ ابن صلاح طبع قدیم ص ۹

ہیں کہ متاخرین میں ایسے لوگ جری نہ ہوجائیں جو ایسے نازک مباحث پر کلام کرنے کی اہلیت اور کتب حدیث کی سند وعلل اور اس کے مطالب کے کشف وایضاح کی صلاحیت نہیں رکھتے، اور وہ وظائف و ذمہ داریاں نہیں ادا کرسکتے جو انکے مطالعہ وممارست کا حق ہے[1]

لیکن علامہ نووی نے شیخ ابن صلاح سے اختلاف کرتے ہوئے تصحیح کی اجازت دی ہے، وہ فرماتے ہیں الاظہر عندی جوازہ لمن تمکن و قویت معرفتہ[2] میرے نزدیک ایک ایسے محدث کے لئے جو فن پر قادر ہو اور معرفت کی اس میں پوری صلاحیت ہو' تو اس کے لئے تصحیح کی اجازت ہے علامہ عراقی نے لکھا ہے کہ اسی پر محدثین کا عمل ہے[3]

لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہ کام نہایت دشوار و نازک ہے، امام علائی (سنہ ۷۶۱ھ) علامہ ابن جوزی کی کتاب "الموضوعات" پر نقد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ علامہ موصوف نے اپنی کتاب الموضوعات میں نہایت تشدد سے کام لیا ہے .... علمائے متاخرین کے لئے کسی حدیث پر فیصلہ نہایت دشوار ہے، اس میں کلام کی گنجائش ہے، برخلاف ائمہ متقدمین کے جن کو حق تعالیٰ نے علم حدیث میں تبحر اور حفظ کی وسعت عطا فرمائی تھی، جیسے شعبہ و قطان اور ان کے صاحبزادے وغیرہ اور ان کے تلامذہ جیسے امام احمد و ابن المدینی و ابن راہویہ، اور ایک جماعت پھر ان کے تلامذہ امام بخاری و مسلم و ابوداؤد و ترمذی و نسائی اور یہ سلسلہ دارقطنی و بیہقی کے دور تک رہا۔ لم یجئ بعدھم مساوٍ ولا مقارب، ان کے برابر کا' یا ان کے ہم پلہ اور کوئی نہیں ہوا ....

فمتیٰ وجدنا فی کلام احد	پس جب ہم متقدمین میں سے کسی کے
من المتقدمین الحکم بہ کان	کلام میں کسی حدیث پر فیصلہ پائیں گے

---

[1] فتح المغیث ص۱۷ [2] تدریب الراوی ص۴۷ [3] شرح الفیۃ الحدیث للعراقی ج۱ ص۶۶

متعمداً لما اعطاهم	تو وہ قابل اعتماد ہوگا، کیونکہ اللہ تعالے
اللہ الحفظ العزیز و	نے انھیں بہت زیادہ حفظ کی دولت
ان اختلف النقل عنهم	عطا فرمائی تھی اور اگر ان میں اختلاف
عدل الی الترجیح[1]	ہوگا تو ترجیح کا راستہ اختیار کیا جائیگا۔

اگرچہ مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے اس میں نظر قائم کی ہے کیونکہ کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک حدیث کی کسی متقدم محدث نے تضعیف کی ہے، مگر دلائل و شواہد کی بنا پر علماء متاخرین نے اس کی تصحیح کی ہے، یا اس کے برعکس معاملہ ہے لیکن جیسا ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ جرح و تعدیل کا منصب ہر عالم کو بھی نہیں دیا جاسکتا، اسی طرح حدیث کی تصحیح و تضعیف کے فیصلہ کا حق بھی ہر شخص کو نہیں دیا جاسکتا۔

جن کتابوں میں صحیح وحسن وضعیف ہر طرح کی روایات ہیں، ان سے استفادہ کرنے کے سلسلے میں حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:۔

بالجملة فالسبيل واحد لمن	خلاصہ یہ کہ اس شخص کے لئے ایک
اراد الاحتجاج بحديث السنن	ہی راستہ ہے جو کتب سنن بالخصوص
لاسيما سنن ابن ماجة و	سنن ابن ماجہ اور مصنف ابی بکر و
مصنف ابی بكر بن شيبة و	مصنف عبدالرزاق (جس کا معاملہ
عبدالرزاق مما الامر فيه	زیادہ دشوار ہے) یا مسانید کی کسی
اشد او بحديث من المسانيد	حدیث سے استدلال کرنا چاہے کیونکہ
لان هذه كلها لم يشترط	ان کتابوں کے مصنفین نے صحت و
جامعوها الصحة والحسن الخ	حسن کا التزام نہیں رکھا ہے۔

وہ راستہ یہ ہے۔ اگر نقل و تصحیح حدیث کی اہلیت ہے تو ان دونوں (صحیح

---

[1] ظفر الامانی ص۲۷ [2] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تدریب الراوی ص۴۸

وحسن) میں سے کسی سے استدلال جائز نہیں جب تک اس کی پوری واقفیت نہ ہو، اور اگر اپنے اندر اہلیت نہیں ہے تو اس میں کسی اہل کی پیروی کرنی چاہیئے، ورنہ رات میں لکڑی چننے والے کی طرح ان سے استدلال پر اقدام نہ کرے، کیونکہ غیر شعوری طور پر ہوسکتا ہے کہ حدیث باطل سے استدلال کرنے لگے[1]

بہرحال حدیث کی تنقید و تحقیق صرف ماہرین فن ہی کا حق ہے، موجودہ دور میں آزاد خیالی اور معمولی عربی جاننے والوں کے لئے کسی طرح حدیث پر رائے زنی جائز نہیں قرار دی جاسکتی۔

مولانا عبدالحی لکھنوی تحریر فرماتے ہیں:۔

ولا تبادر تقلید امن لا	جو لوگ حدیث کو نہیں سمجھتے اور اس
یفهم الحدیث ولا اصوله	کے اصول و فروع سے ناواقف ہیں
ولا یعرف فروعه الی	ان کی تقلید جلدی سے نہ کرنے لگو،
تضعیف الحدیث وتوهینه	کہ صرف مبہم اقوال اور غیر مفسر جروح
بمجرد الاقوال المبهمة	سے حدیث کو ضعیف و کمزور قرار
والجروح غیر المفسرة[2]	دے دیا۔

---

[1] الرفع والتکمیل ص۲۸ [2] الرفع والتکمیل ص۳۸

فنِ اسماءُ الرِّجال میں

ائمہ کی اہم و مشہور کتابیں

اس آخری باب میں ہم اجمالی طور پر ائمہ فن کی مشہور اور اہم کتابوں کا تعارف کررہے ہیں، جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ علماءِ امت نے علمِ حدیث کی حفاظت وصیانت کے لئے کس قدر مشقتیں برداشت کی ہیں، نیز ہر کتاب کے تعارف کے ساتھ اس کی نشان دہی بھی کی گئی ہے کہ ان میں کون سی کتابیں مخطوط ہیں اور کون سی چھپ کر شائع ہوگئی ہیں جس کی خاص طور سے اہلِ علم کو ضرورت رہتی ہے، اور اسی طرح بعض ان کتابوں کا بھی ذکر آگیا ہے جو اگرچہ آج نایاب ہیں، مگر اپنے موضوع پر اہم قرار دی گئی ہیں، اس سلسلے میں "الرسالۃ المستطرفۃ" ابوجعفر کتانی اور علامہ زرکلی کی "الاعلام" اور استاذ عمر رضا عجالہ کی "معجم المؤلفین" خصوصیت سے میرے پیشِ نظر رہی ہے۔

(۱) حالاتِ صحابہ پر اہم و مشہور کتابیں

جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کی تعداد ایک لاکھ سے زائد تھی، مگر

عام طور سے کتابوں میں صرف انھیں حضرات کے تراجم ملتے ہیں جنہوں نے نقلِ حدیث اور روایت کی خدمت انجام دی ہے یا کسی حدیث میں ذکر آگیا ہے۔

(۱) مَعرفة من نزل من الصحابة سائر البلدان:

از امام ابوالحسن علی بن عبداللہ المدینی (المولود ۱۶۱ھ وفات ۲۳۴ھ)[1]

(۲) کتاب المعرفة:

از ابومحمد عبداللہ بن عیسیٰ مروزی (المولود ۲۲۰ھ وفات ۲۹۳ھ) یہ کتاب ۱۵۵ اجزا میں حالات صحابہؓ کے تعارف میں تھی۔[2]

(۳) کتاب الصحابةؓ:

از امام محمد بن حبان ابوحاتم بستی (المولود ۲۷۰ھ وفات ۳۵۴ھ)[3]

(۴) الاستیعاب:

از ابویوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر نمری قرطبی مالکی (المولود ۳۶۸ھ وفات ۴۶۳ھ) مصنف نے یہ نام اس خیال سے رکھا ہے کہ انھوں نے اس کتاب میں ان تمام صحابہ کا استیعاب کرلیا ہے جن کا ذکر کہیں آیا ہے، مگر واقعہ یہ ہے کہ بہت سے حضرات کے تراجم مصنف سے چھوٹ گئے ہیں، اس کتاب میں صرف (۳۵۰۰) صحابہؓ کرام کے تراجم ہیں۔ ہندوستان میں دو جلدوں میں اور مصر سے چار جلدوں میں طبع ہوکر شائع ہوچکی ہے۔

"الاستیعاب" پر بہت سے علماء نے ذیل میں لکھا ہے بالخصوص ابن فتحون اندلسی

---

[1] الرسالة المستطرفة ص۴۹۵ [2] الرسالة المستطرفة ص۹۵ ومعجم المصنفین ج۱۲ ص۱۳۵ [3] الاعلام ص۲۰۶

المتوفی ۵۱۷ھ اور ابوالحجاج یوسف بن محمد بن مقلد المتوفی ۵۵۸ھ کے ذیل مشہور ہیں۔

(۵) اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ:

از مورخ عزالدین ابوالحسن علی بن محمد (ابن الاثیر) (المولود ۵۵۵ھ وفات ۶۳۰ھ) (۷۵۵۴) صحابہ کرامؓ کے تراجم پر یہ کتاب مشتمل ہے، اس کتاب میں مصنف سے تسامح بھی ہوا ہے، مصر سے ۱۲۸۶ھ میں طبع ہوچکی ہے، اس کا اردو میں حضرت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ نے ترجمہ بھی کیا ہے۔

(۶) تجرید اسماء الصحابۃ:

از حافظ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد ذہبی (المولود ۶۷۳ھ وفات ۷۴۸ھ) ہندوستان میں سنہ ۱۳۱۰ھ میں طبع ہوچکی ہے۔

(۷) الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ:

از حافظ شہاب الدین احمد بن علی عسقلانی (ابن حجر) (المولود ۷۷۳ھ وفات ۸۵۲ھ) یہ کتاب اپنے موضوع پر نہایت مشہور اور جامع قرار دی گئی ہے، ابتدا کی چھ جلدوں میں اسماء صحابہ ہیں جن کی تعداد (۹۴۷۷) ہے اور ساتویں جلد کنیٰ پر مشتمل ہے، اس میں (۱۲۵۷) کنیتیں ہیں، جن کا ذکر پہلے آچکا ہے اور آٹھویں جلد صحابیات کے تراجم پر مشتمل ہے جن کی تعداد (۱۵۴۵) ہے حیدرآباد دائرۃ المعارف سے بھی چھپ چکی ہے، اور مصر سے بھی طبع ہوچکی ہے۔

(۸) الریاض المستطابۃ فی جملۃ من روی فی الصحیحین من الصحابۃ:

از شیخ یحییٰ بن ابوبکر عامر یمنی (المولود ۸۱۶ھ وفات ۸۹۳ھ) اس میں ان صحابہ کرامؓ کا تذکرہ ہے جن سے صحیحین میں روایت ہے، مصنف نے حروف تہجی کے لحاظ

سے اس کو مرتب کیا ہے، یہ نہایت مفید رسالہ ہے۔ ۱۳۰۳ھ میں ہندوستان میں چھپ چکا ہے۔

(۹) دُرُّ السحابۃ من دخل مصر من الصحابۃ:

از حافظ جلال الدین سیوطی (و ۸۴۹ھ م ۹۱۱ھ) یہ ایک مختصر رسالہ ہے، جو "حسن المحاضرہ" کے ساتھ مصر سے چھپ چکا ہے اور اب علیحدہ سے بھی طبع ہو گیا ہے

(۱۰) البدر المنیر فی صحابۃ البشیر النذیر:

از شیخ محمد قائم بن صالح سندی حنفی قادری، ان کا سن وفات متعین طور سے معلوم نہ ہو سکا، البتہ ۱۱۴۵ھ سے قبل مصنف باحیات تھے، انہوں نے اپنی کتاب میں ان صحابۂ کرام کا ذکر کیا ہے جن کی صحابیت کسی روایت یا اور کسی ذریعہ سے معلوم ہو سکی ہے، اس کا قلمی نسخہ قاہرہ کے کتب خانہ "دار الکتب المصریۃ" میں موجود ہے۔

۲ تاریخ رجالُ کی اہم کتابیں

(۱) تاریخ الرواۃ:

از امام یحییٰ بن معین (المولود ۱۵۸ھ المتوفی ۲۳۳ھ) مصنف نے اس کو حروف معجم پر مرتب کیا تھا[۱]۔ معجم المصنفین کے مصنف نے ان کی دو اور کتابوں "معرفۃ الرجال" اور "التاریخ والعلل" کا بھی ذکر کیا ہے[۲]۔ جو جامعہ ام القریٰ سے احمد نور سیف کی تحقیق کے ساتھ چھپ چکی ہے۔

---

[۱] الرسالۃ المستطرفۃ ص ۹۶ [۲] معجم المصنفین ج ۱۳ ص ۲۳۲

(۲) التاریخ:

از امام احمد بن محمد حنبل (المولود ۱۶۴ھ وفات ۲۴۱ھ)[1]

(۳) التاریخ الکبیر:

از امام ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری (المولود ۱۹۴ھ وفات ۲۵۶ھ) یہ نہایت جامع کتاب ہے، اس کو مصنف نے حروف معجم کی ترتیب پر مرتب کیا ہے اور عہد صحابہ سے اپنے دور تک تقریباً چالیس ہزار رجال حدیث کے حالات قلمبند کئے ہیں، ان میں مرد، عورت، ضعیف و ثقہ سب شامل ہیں۔

امام موصوف نے اٹھارہ سال کی عمر میں مدینہ منورہ کی چاندنی راتوں میں اس عظیم الشان کتاب کو تصنیف فرمایا ہے۔ علامہ تاج الدین سبکی فرماتے ہیں کہ اس میں بھی امام صاحب کو (بہ لحاظ جامعیت) شرف اولیت حاصل ہے، ان کے بعد جن لوگوں نے تاریخ رجال، اسماء، وکُنی پر کتابیں لکھی ہیں، سب ان کے خوشہ چین ہی ہیں[2] حرف اول کے بعد کتاب میں ترتیب قائم نہ رہ سکی، نیز جرح وتعدیل سے بہت کم تعرض کیا ہے، البتہ جب صحابی کا نام آیا ہے تو اس کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

آٹھ ضخیم جلدوں میں دائرۃ المعارف حیدر آباد سے طبع ہو چکی ہے، نیز مصنف کی التاریخ الوسط و التاریخ الصغیر بھی ہے، التاریخ الصغیر ہندوستان میں ایک جلد میں چھپ چکی ہے۔

(۴) الهداية والارشاد فی معرفة اهل الثقة والسداد:

از ابو نصر احمد بن محمد بن حسین کلابازی (المولود ۳۰۶ھ وفات ۳۹۸ھ) اس میں

---

[1] الاعلام ج ۱ ص ۱۹۲ [2] رسالۃ المستطرفۃ ص ۱۳۹

مصنف نے ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جن سے امام بخاری نے "اپنی صحیح" میں روایات کی تخریج کی ہے، اس کا قلمی نسخہ دار الکتب المصریہ قاہرہ میں موجود ہے۔

(۵) تاریخ نیشابور

از محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری کی کتاب ہے جو ابن البیع سے مشہور ہیں' ان کی ولادت ۳۲۱ھ اور وفات ۴۰۵ھ میں ہوئی، علامہ تاج الدین سبکی فرماتے ہیں "میرے نزدیک یہ نہایت مفید کتاب ہے، جو شخص اس کتاب پر نظر ڈالے گا' وہ مصنف کے مختلف فنون پر عبور کی شہادت دے گا[1]

(۶) تارِیخ بغدادُ

یہ ابوبکر احمد بن علی بن ثابت بن احمد بغدادی شافعی (و ۳۹۲ھ م ۴۶۳ھ) کی جلیل القدر اور نہایت مفید و مشہور کتاب ہے، اس میں مصنف نے بغداد کی شخصیات اور وہاں آنے والوں کا تذکرہ اور مختلف فوائد لکھے ہیں، اسکو مصنف نے حروف تہجی پر مرتب کیا ہے، اس میں ثقات' ضعفاء و متروکین کا ذکر ہے، یہ کتاب (۷۸۳۱) حضرات کے تذکروں پر مشتمل ہے، قاہرہ سے ۱۳۴۹ھ (۱۹۳۱ء) میں چودہ جلدوں میں چھپ چکی ہے۔

(۷) الجمع بین رجال الصحیحین

یہ حافظ ابو الفضل محمد بن طاہر مقدسی جو قیسرانی شیبانی سے مشہور ہیں (المولود ۴۴۸ھ المتوفی ۵۰۷ھ) مصنف نے اس کتاب میں ابو نصر کلاباذی اور ابوبکر احمد بن علی اصبہانی کی کتابوں سے صحیحین کے رجال کو جمع کر دیا ہے، دو جلدوں میں ہندوستان

---

[1] الرسالۃ المستطرفۃ ص۹۹

میں ۱۳۲۳ھ میں چھپ چکی ہے۔

(۸) المغنی فی اسماء رجال الحدیث:

شیخ محمد طاہر پٹنی۔ یہ تقریب التہذیب کے حاشیہ پر ۱۳۲۰ھ میں حیدر آباد میں چھپ چکی ہے۔

(۹) تاریخ دمشق:

از حافظ ابو القاسم علی بن حسین (ابن عساکر) دمشقی (و ۴۹۹ھ م ۵۷۱ھ) یہ نہایت عظیم الشان اور جامع کتاب تھی، اسّی سے زائد جلدوں میں تھی، اس کی ۲۷ جلدیں قاہرہ کے مشہور کتب خانہ "دار الکتب المصریہ" میں موجود ہے، شیخ عبد القادر بدران نے اس کی اسانید و مکررات کو حذف کر کے اختصار کیا ہے اور اپنی اس مختصر کا نام "تہذیب تاریخ ابن عساکر" رکھا ہے، اس کی سات جلدیں دمشق سے ۱۳۲۹ھ میں شائع ہو چکی ہیں۔ تاریخ دمشق کا اکثر حصہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

(۱۰) کتاب الکمال فی اسماء الرجال:

از ابو القاسم عبد الکریم بن محمد رافعی قزوینی (المولود ۵۵۷ھ وفات ۶۲۳ھ) یہ قزوین کی خصوصیات اور وہاں کے اخبار و آثار اور جو صحابہ کرام و تابعین وہاں وارد ہوئے، ان کے حالات اور وہاں کے ممتاز اہل علم و درس کے تذکروں پر مشتمل ہے مصنف نے حرف معجم کی ترتیب پر اس کو مرتب کیا ہے، اس کا قلمی نسخہ چار جلدوں میں "دار الکتب المصریہ" میں موجود ہے۔

(۱۱) تہذیب الکمال فی اسماء الرجال،

از حافظ جمال الدین ابو الحجاج یوسف بن عبد الرحمٰن مزی دمشقی (المولود ۶۵۴ھ

وفات ۷۴۲ھ) یہ کتاب درحقیقت حافظ عبدالغنی مقدسی کی "الکمال فی اسماء الرجال" جو صحیحین اور سنن اربعہ کے رجال پر مشتمل ہے' اس کی تہذیب ہے، علامہ مزی نے اپنی تہذیب میں راویانِ علم و حاملانِ آثار اور ہر جماعت کے اکثر اہل علم کا تذکرہ حروف معجم پر مرتب کیا ہے، پھر اخیر میں عورتوں کا تذکرہ لکھا ہے۔ مصنف کو اس کتاب کی تالیف میں ۷۰۵ھ سے ۷۱۲ھ تک کا عرصہ لگ گیا۔ یہ کتاب بارہ جلدوں میں ہے، اس کا قلمی نسخہ "دار الکتب المصریہ" میں موجود ہے، اور اب طبع ہو چکی ہے۔

حافظ علاء الدین مغلطائی (المولود ۶۹۰ھ وفات ۷۶۲ھ) نے حافظ مزی کی تہذیب الکمال کا ۱۳ جلدوں میں استدراک لکھا ہے' اور ان کی کتاب کا نام "اکمال تہذیب الکمال فی اسماء الرجال" ہے۔[1]

(۱۲) تذہیب تہذیب الکمال:

از حافظ محمد بن احمد بن عثمان ذہبی (المولود ۶۷۳ھ وفات ۷۴۸ھ) اس میں مصنف نے علامہ مزی کی "تہذیب الکمال" کا اختصار کیا، پھر اس اختصار کا بھی اختصار کیا ہے' اور اس کا نام ہے "الکاشف عن رجال الکتب الستۃ" اس میں صرف ان رواۃ کا تذکرہ ہے جن کی روایات کی تخریج صحاح ستہ میں کی گئی ہے، اور ان کی وفیات کا تذکرہ ہے' جن کتابوں میں ان کی روایت ہے ان کے رموز بھی بتا دیتے ہیں۔ حروف تہجی پر مصنف نے اس کو مرتب کیا ہے، مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے کتب خانہ میں "الکاشف" کا قلمی نسخہ موجود ہے۔

(۱۳) تاریخ الاسلام وطبقات المشاهیر والاعلام:

از علامہ ذہبی' مصنف نے اس کتاب میں حوادث و وفیات دونوں کو ذکر کیا

---

[1] معجم المؤلفین ج ۱۲ ص ۳۱۳

ہے، اور سنین کے اعتبار سے مرتب کیا ہے، اس کی ابتدا پہلی صدی ہجری سے ہوئی ہے اور انتہا (۷۰۰ھ) پر ہے، مصنف نے اس کو ستر طبقات پر تقسیم کیا ہے اور ہر طبقہ کے لیے دس سال رکھے ہیں، البتہ ہر طبقہ کے اسماء کو حروف تہجی کے لحاظ سے اور حوادث کو سنین کے اعتبار سے مرتب کیا ہے، یہ کتاب ۳۵ جلدوں میں تھی۔ اس کی ۲۴ جلدیں "دار الکتب المصریہ" میں موجود ہیں، صرف ۵ جلدیں مصر سے ۱۳۶۷ھ میں طبع ہو سکی ہے۔

علامہ موصوف نے اپنی تاریخ کے کئی اختصار خود کیے ہیں جس میں "سیر اعلام النبلاء" جو چار جلدوں میں ہے، اس کی تین جلدیں مصر سے طبع ہو چکی ہیں۔

(۱۴) التذکرۃ برجال العشرۃ:

از محمد بن علی بن حمزہ حسینی دمشقی (المولود ۷۱۵ھ المتوفی ۷۶۵ھ) مصنف نے اپنے شیخ علامہ مزی کی کتاب "تہذیب الکمال" میں چار کتابوں کے رجال کا مزید اضافہ کیا ہے، وہ کتابیں یہ ہیں، موطا، مسند شافعیؒ، مسند احمد، مسند ابی حنیفہ للحسین بن محمد بن خسرو۔ حافظ ابن حجر عسقلانی کے سامنے یہ کتاب موجود تھی، اس کا ذکر تعجیل المنفعۃ کے مقدمہ میں کیا ہے۔

(۱۵) تعجیل المنفعۃ بزوائد رجال الائمۃ الاربعۃ:

از حافظ ابن حجر عسقلانی، حیدر آباد سے ۱۳۲۴ھ میں چھپ چکی ہے۔

(۱۶) تہذیب التہذیب:

از حافظ شہاب الدین ابو الفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی (المولود ۷۷۳ھ وفات ۸۵۲ھ) اس میں مصنف نے علامہ مزی کی "تہذیب الکمال" کی تلخیص کی ہے، اور بہت سے فوائد کا اضافہ کیا ہے، حیدر آباد دکن سے دو مرتبہ ۱۲ جلدوں میں شائع ہو چکی

ہے، مگر آج کل نایاب ہو رہی ہے لیکن اہل علم میں بہت زیادہ متداول بھی ہے۔
تہذیب الکمال میں بڑے بڑے ان فقہاء و محدثین کا تذکرہ ہے جو امام اعظم ابو حنیفہؒ یا ان کے اصحاب میں سے کسی کے شاگرد ہیں، مگر حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان کے ذکر کو حذف کر دیا ہے، اسی وجہ سے حضرت مولانا انور شاہ صاحب فرماتے تھے کہ "رجال حنفیہ کو جس قدر نقصان حافظ نے پہنچایا اور کسی نے نہیں۔

(۱۷) تقریبُ التہذیبُ:

یہ بھی حافظ ابن حجر کی کتاب ہے جو انہوں نے اپنی کتاب "تہذیب التہذیب" سے اختصار کیا ہے، ہندوستان میں ۱۲۹۰ھ میں دو جلدوں میں چھپ چکی ہے، اس کے حاشیہ پر شیخ محمد طاہر پٹنی کی "المغنی فی اسماء رجال الحدیث" بھی ہے، اب تو متعدد بار قاہرہ سے چھپ چکی ہے۔

(۱۸) اسعاف المبطأ برجال الموطا:

حافظ جلال الدین سیوطی کی کتاب ہے، ہندوستان و مصر دونوں جگہوں سے چھپ چکی ہے۔

③ کتب طبقات

یہ وہ کتابیں ہیں جن کے مصنفین نے رجال کے مختلف طبقات قائم کئے ہیں اور ان کے حالات طبقۃً بعد طبقۃٍ اپنے عہد تک بیان کیا ہے، اس طرز پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں، ان میں سے مشہور و اہم حسب ذیل ہیں:۔

(۱) الطبقات الکبریٰ:

از مؤرخ محمد بن سعد بن منیع کاتب واقدی (المولود ۱۶۸ھ والمتوفی ۲۳۰ھ) ابن سعد نے پہلے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت لکھی، اس کے بعد صحابہ کرام کے تراجم طبقات کے لحاظ سے لکھے، پھر تابعین اور ان کے بعد کے علماء کے حالات اپنے عہد تک لکھے ہیں، یہ اپنے موضوع پر نہایت عمدہ و بہترین کتاب ہے۔ تاریخ و رجال کے اہم و مستند ترین مصادر میں اس کا شمار ہے۔ اس کی آخری جلد عورتوں کیلئے مخصوص ہے، سب سے پہلے لندن میں ۱۳ جلدوں میں طبع ہوئی، اب مصر و بیروت سے بھی آٹھ جلدوں میں چھپ چکی ہے، آخری جلد میں مصنف نے تراجم کی مفصل فہرست بھی لکھ دی ہے جس سے مراجعت میں سہولت رہتی ہے۔

(۲) طبقات الرواۃ :

از حافظ ابو عمرو خلیفہ بن خیاط شیبانی عصفری (م ۲۴۰ھ) جو امام بخاری کے شیوخ میں ہیں۔ یہ کتاب آٹھ اجزاء پر مشتمل ہے، اس کا قلمی نسخہ مکتبہ ظاہریہ دمشق اور دار الکتب المصریہ قاہرہ میں موجود ہے۔

(۳) طبقات التابعین :

امام مسلم بن حجاج قشیری (المولود ۲۰۲ھ المتوفی ۲۶۱ھ)

(۴) کتاب التابعین :

از حافظ محمد بن حبان بستی (المولود ۲۷۰ھ المتوفی ۳۵۴ھ) مصنف کی اتباع التابعین اور "تباع التابعین" یہ دونوں کتابیں بھی پندرہ ۱۵ اجزاء میں تھیں [1]۔

(۵) طبقات المحدثین والرواۃ :

---

[1] الاعلام، ج ۶ ص ۳۰۶

از حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ بن احمد اصبہانی (المولود ۳۳۶ھ المتوفی ۴۳۰ھ)[1]

(۶) طبقات الحفاظ یا تذکرۃ الحفاظ:

از حافظ شمس الدین ذہبی (م ۷۴۸ھ) یہ چار ضخیم جلدوں میں ہے اور دائرۃ المعارف حیدر آباد سے مکرر طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے، یہ صحابہ سے لے کر مؤلف کے دور تک کے حفاظِ حدیث کے تذکرہ پر مشتمل ہے، گیارہ طبقات قائم کیے ہیں۔

دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ "یہ حاملانِ علم نبویؐ کی عدالت بیان کرنے والوں کا تذکرہ ہے جن کے اجتہاد پر توثیق و تضعیف اور تصحیح و تزئیف (کھوٹ بیان کرنا) میں رجوع کیا جاتا ہے۔" حافظ موصوف نے تمام کتاب میں اس اصول کو ملحوظ رکھا ہے اور کسی ایسے شخص کا ترجمہ نہیں لکھا کہ جو علم حدیث میں حافظ شمار نہ کیا جاتا ہو، چنانچہ ابن قتیبہ کے متعلق جو لغت و عربیت کے مشہور امام ہیں اور علم حدیث میں بھی ان کی بعض تصنیفات موجود ہیں، یہ لکھتے ہیں:-

ابن قتیبۃ من اوعیۃ العلم	ابن قتیبہ علم کا مخزن ہیں، لیکن حدیث
لکنہ قلیل العمل بالحدیث	میں ان کا کام تھوڑا ہے۔ اس لئے میں
فلم اذکرہ۔	نے ان کا ذکر نہیں کیا۔

اور خارجہ بن زید اگرچہ فقہاء سبعہ میں شمار کیے جاتے ہیں لیکن ان کے متعلق بھی صاف تصریح کر دی ہے کہ چونکہ وہ قلیل الحدیث تھے، اس لئے میں نے ان کو حفاظِ حدیث میں شمار نہیں کیا، اسی طرح ان لوگوں کا تذکرہ بھی اس کتاب میں نہیں لکھا کہ جو اگرچہ حدیث کے حافظ تھے مگر محدثین کے نزدیک متروک الروایۃ خیال کیے جاتے تھے، چنانچہ ہشام بن کلبی اور واقدی وغیرہ کے حافظ حدیث ہونے کے باوجود متروک الرواۃ ہونے کی وجہ سے ان کو حفاظ حدیث میں نہیں شمار کیا ہے۔

---

[1] الاعلام، ج ۱ صفحہ ۱۵۱

(۷) ذیل تذکرۃ الحفاظ :

از ابو المحاسن حسینی دمشقی المتوفی سنہ ۷۶۵ھ، یہ حافظ ذہبی کی مذکورہ بالا کتاب کا ذیل ہے اور اس میں اُن حفاظ حدیث کا تذکرہ ہے جن کا ذکر حافظ ذہبی سے رہ گیا ہے، یہ کتاب دمشق سے طبع ہو چکی ہے۔

(۸) لحظ الالحاظ بذیل طبقات الحفّاظ :

از حافظ تقی الدین بن فہد المتوفی سنہ ۸۷۱ھ، یہ کتاب بھی تذکرۃ الحفاظ کا ذیل ہے دمشق سے طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔

(۹) طبقات الحفاظ :

از حافظ جلال الدین سیوطی المتوفی سنہ ۹۱۱ھ، یہ حافظ ذہبی کے تذکرۃ الحفاظ کی تلخیص ہے، لیکن کہیں کہیں تراجم میں مفید اضافے کئے گئے ہیں، عرصہ ہوا یورپ سے طبع ہو چکی ہے۔

(۱۰) ذیل طبقات الحفاظ :

از حافظ سیوطی، یہ بھی حافظ ذہبی کی تذکرۃ الحفاظ کا ذیل ہے۔ اس میں حافظ ذہبی کے معاصرین سے لے کر اپنے دَور تک کے حفاظ حدیث کا تذکرہ ہے، دمشق سے یہ کتاب بھی طبع ہو چکی ہے۔

نوٹ :- حسینی، ابن فہد، اور سیوطی ان تینوں کے ذیول "مجموعہ تذکرۃ الحفاظ" کے نام سے محدث کوثری کی تصحیح و تعلیق کے ساتھ دمشق کے مطبع التوفیق سے سنہ ۱۳۴۷ھ میں ایک ضخیم جلد کے اندر شائع ہوئے ہیں۔

④ اسماء وکنیٰ والقاب پر اہم تصنیفات

محدثین کرام نے جس طرح راویانِ حدیث کے تراجم واحوال پر کتابیں تصنیف کیں، اسی طرح ان حضرات نے اس ضرورت کے پیشِ نظر کہ باہم ان کے ناموں میں اشتباہ والتباس نہ پیدا ہو سکے، اسماء وکنیٰ والقاب پر بکثرت کتابیں لکھی ہیں، ان میں سے چند کتابوں کا اجمالی تعارف ہم یہاں کر رہے ہیں۔

(۱) الاسامی والکنیٰ :-

از علی بن عبداللہ بن جعفر مدینی (المولود ۱۶۱ھ والمتوفی ۲۳۴ھ) یہ آٹھ اجزاء پر مشتمل تھی[1]

(۲) الاسماء والکنیٰ :-

از امام احمد بن حنبلؒ (و ۱۶۴ھ م ۲۴۱ھ)

(۳) الکنیٰ :-

اس نام کی بہت سے ائمہ امام بخاری و امام نسائیؒ وعبدالرحمن بن ابی حاتم وغیرہ کی کتابیں ہیں۔

(۴) کتاب الکنیٰ والاسماء :-

از امام مسلم بن حجاج (المولود ۲۰۴ھ والمتوفی ۲۶۱ھ)

(۵) الکنیٰ والاسماء :-

از ابوبشر محمد بن احمد بن حماد بن سعد انصاری دولابی (المولود ۲۲۴ھ المتوفی ۳۲۰ھ) یہ بڑی جامع کتاب ہے، ہندوستان میں دو جلدوں میں ۱۳۲۲ھ و ۱۳۲۳ھ میں طبع ہوکر شائع ہوچکی ہے۔

(۶) الاسماء والکنیٰ:۔

از حاکم کبیر ابواحمد محمد بن احمد نیشاپوری (المولود ۲۸۵ھ والمتوفی ۳۷۸ھ) یہ کتاب ۱۴ جلدوں میں تھی۔

(۷) فتح الباب فی الکنیٰ والالقاب:۔

از ابوعبداللہ محمد بن اسحاق ابن مندہ اصبہانی (المولود ۳۱۵ھ والمتوفی ۳۹۵ھ) یہ البانیہ سے مستشرق دی ودنج کی تعلیق کے ساتھ طبع ہوچکی ہے۔

(۸) المؤتلف والمختلف فی اسماء نقلۃ الحدیث:

(۹) المشتبہ فی النسبۃ:

یہ دونوں کتابیں امام ابومحمد عبدالغنی بن سعید اسدی مصری (المولود ۳۳۲ھ و المتوفی ۴۰۹ھ) کی تصنیف ہیں اور دونوں ایک جلد میں ہندوستان میں ۱۳۲۶ھ میں طبع ہوچکی ہیں۔

(۱۰) الاکمال فی رفع الارتیاب عن المؤتلف والمختلف من الاسماء والکنیٰ والانساب

از حافظ امیر ابونصیر علی بن ہبۃ اللہ بن جعفر (ابن ماکولا) بغدادی (و ۴۲۱ھ م ۴۸۶ھ) یہ نہایت قیمتی کتاب ہے، مصنف نے عبدالغنی ازدی کی دونوں کتابوں اور خطیب

بغدادی کی کتب کو پیش نظر رکھا ہے، مؤرخ ابن خلکان نے اس کو بے نظیر کتاب قرار دیا ہے، معلوم ہوا ہے کہ حیدر آباد سے طبع ہو رہی ہے، اب تک ۵ جلدیں چھپ چکی ہیں۔

(۱۱) المستدرك على الاكمال لابن ماكولا :

ازحافظ محمد بن عبد الغنی بغدادی (ابن نقطہ) المتوفی ۶۲۹ھ۔

(۱۲) المشتبه فی اسماء الرجال :

ازحافظ محمد بن احمد عثمان ذہبی (المولود ۶۷۳ھ م ۷۴۸ھ) یہ کتاب متقدمین ابن ماکولا، ابن نقطہ، ابن یعلی فرضی وغیرہ متقدمین کی کتابوں کا خلاصہ ہے، نیز علامہ موصوف نے بھی خود اضافہ کیا ہے، یہ کتاب لندن سے ۱۸۶۳ھ و ۱۸۸۱ھ میں دکتور مستشرق "دوجونغ" کے مقدمہ کے ساتھ شائع ہوچکی ہے۔

(۱۳) تحفة ذوی الارب فی شکل الاسماء والنسب :

ازابن خطیب دہشہ محمد بن احمد ہمدانی (المولود ۷۵۰ھ المتوفی ۸۳۴ھ) مصنف نے ۸۳۰ھ میں اس کو تالیف کیا تھا، لندن سے ۱۹۰۵ء میں البانی زبان میں مقدمہ کے ساتھ طبع ہوچکی ہے۔

(۱۴) نزهة الالباب فی الالقاب :

ازحافظ ابن حجر عسقلانی، اس کا قلمی نسخہ دار الکتب المصریہ میں موجود ہے۔

⑤ انساب پر اہم و مشہور کتب

(۱) ما اتفق من اسماء المحدثین وانسابھم غیران فی بعضہ زیادۃ حرف واحد

از ابوبکر احمد بن علی بن ثابت خطیب بغدادی (المولود ۳۹۲ھ المتوفی ۴۶۳ھ) اس کا قلمی نسخہ دار الکتب المصریہ میں موجود ہے۔

(۲) اقتباس الانوار والالتماس الازھار فی انساب الصحابۃ ورواۃ الآثار:

از محمد عبداللہ بن علی لخمی اندلسی جو رشاطی سے مشہور ہیں (المولود ۴۶۶ھ المتوفی ۵۴۲ھ) یہ نہایت عمدہ و بہتر کتاب تھی، اور اہلِ علم نے اس کی تلقی بھی کی ہے۔[1]

(۳) الانساب المتفقۃ فی الخط المتماثلۃ فی النقط والضبط:

از شیخ محمد بن طاہر مقدسی (المولود ۴۴۸ھ المتوفی ۵۰۷ھ) ان کے شاگرد محمد بن ابوبکر اصبہانی نے اس پر ذیل لکھا ہے، اور یہ دونوں لندن سے ۱۸۶۵ء میں ایک جلد میں طبع ہو چکی ہیں۔

(۴) الانساب:

از تاج الاسلام سعید عبدالکریم بن محمد بن ابو المظفر تمیمی سمعانی (المولود ۵۰۶ھ المتوفی ۵۶۲ھ) اس کتاب میں مصنف نے رجال کے انساب، اور جن کے تراجم لکھے ہیں، ان کے حالات اور ان کے بارے میں ائمہ فن کے جرح یا تعدیل کے اقوال

---

[1] رسالۃ المستطرفہ ص ۹۴

نیز ان کے شیوخ وتلامذہ کا ذکر بھی کیا ہے، حروف معجم پر کتاب کی ترتیب رکھی ہے، مشہور مستشرق مارج لیوس کے مقدمہ کے ساتھ ۱۹۱۲ء میں لندن سے طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔

(۵) اللباب:

از علی بن محمد شیبانی جزری (المولود ۵۵۵ھ المتوفی ۶۳۰ھ) مصنف نے سمعانی کی انساب کا اختصار کیا ہے اور کچھ اضافے بھی کئے ہیں، تین جلدوں میں مصر سے ۱۳۵۶ھ و ۱۳۵۹ھ میں .... طبع ہو چکی ہے۔

⑥ کتب جرح وتعدیل

اس فن پر علماء نے مختلف طرز پر کتابیں لکھی ہیں:۔

(۱) بعض لوگوں نے اپنی کتابوں میں صرف کذابین وضعفاء کو ذکر کیا ہے۔

(۲) اور بعض حضرات نے صرف ثقات کے حالات پر کتابیں لکھی ہیں۔

(۳) اور بعض ائمہ نے ثقات وضعفاء دونوں کو اپنی کتابوں میں جمع کر دیا ہے۔

اس فن کی چند مشہور اور اہم کتابیں حسب ذیل ہیں:۔

(۱) الجرح والتعدیل[۱]:

از امام احمد بن حنبل (المولود ۱۶۴ھ المتوفی ۲۴۱ھ) یہ انقرہ سے دو جلدوں میں ۱۹۶۳ء میں طبع ہو چکی ہے۔

---

[۱] معجم المصنفین، ج ۱ ص ۹۶

(۲) الضعفاء[1] :

از محمد بن عبداللہ بن عبدالرحیم برقی زہری المتوفی ۲۴۹ھ ۔

(۳) الجرح والتعدیل والضعفاء :

از ابو اسحاق ابراہیم بن یعقوب سعدی جوزجانی ۲۵۹ھ ۔

(۴) الضعفاء :

از امام محمد بن اسمٰعیل بخاری (المولود ۱۹۴ھ المتوفی ۲۵۶ھ) یہ امام بخاری کی "التاریخ الصغیر" کے ساتھ ہندوستان میں چھپ چکی ہے ۔

(۵) تاریخ الضعفاء والمتروکین :

از امام حافظ ابو عبدالرحمٰن احمد بن علی نسائی (المولود ۲۱۵ھ المتوفی ۳۰۳ھ) اس کو مصنف نے حروف تہجی پر مرتب کیا ہے ، یہ بھی التاریخ الصغیر کے ساتھ مطبع انوار محمدی الہ آباد (ہند) میں ۱۳۲۵ھ میں یہ مجموعہ طبع ہوا تھا، امام نسائی کی اس کتاب کے اخیر میں امام موصوف کا ایک مختصر سا رسالہ رجال پر دوسرا بھی ہے ، امام نسائی نے اپنی کتاب میں بہت سے ثقات کو ضعیف کہہ دیا ہے حتی کہ ان میں امام اعظم ابو حنیفہ کو بھی شمار کر دیا ہے ، ممکن ہے کہ بعض لوگوں نے امام موصوف کے تشدد سے فائدہ اٹھا کر الحاقی عبارتوں کا اضافہ کر دیا ہے جیسا میزان الاعتدال میں امام صاحب کا ذکر الحاقی ہے[2]

(۶) الجرح والتعدیل :

---

[1] الاعلام ج ۲ ص ۹۳ [2] ما تمس الیہ الحاجۃ ص ۴۷

از عبدالرحمن بن ابو حاتم بن ادریس حنظلی رازی (المولود ۲۴۰ھ المتوفی ۳۲۷ھ)
یہ رجال حدیث کی جرح و تعدیل کے لئے مستند ترین، نہایت مہتم بالشان کتاب ہے۔ مصنف نے جرح و تعدیل کے باب میں ائمۂ فن کے اقوال کو تلاش کیا اور اس کو اپنی کتاب میں جمع کر دیا ہے، بالخصوص اپنے والد ابو حاتم رازی اور حافظ ابو زرعہ رازی کے اقوال و آراء کو بکثرت نقل کیا ہے، اس لحاظ سے یہ کتاب اپنے فن میں ممتاز مقام رکھتی ہے۔ پوری کتاب (۱۸۰۵۰) تراجم پر مشتمل ہے۔ ہر راوی کی جرح و تعدیل صحیح اسانید سے ذکر کیا ہے، ایک جلد میں کتاب کا مقدمہ لکھا ہے، جس کا نام ہے (تقدمۃ المعرفۃ لکتاب الجرح والتعدیل) اس میں علم جرح و تعدیل کی اہمیت اور ائمۂ فن کے حالات لکھے ہیں۔ اس کتاب سے علم حدیث کا کوئی طالب علم بے نیاز نہیں ہو سکتا، حیدر آباد دائرۃ المعارف سے ۹ جلدوں میں ۱۳۷۳ھ میں کتاب طبع ہو کر شائع ہو چکی، جس میں جلد اول مقدمہ کے لئے مخصوص ہے، مصنف کی "علل الحدیث" بھی قاہرہ سے ۱۳۴۳ھ میں چھپ چکی ہے۔

(۷) الثقات:

از ابو حاتم بن حبان بستی (المتوفی ۳۵۴ھ) اس کا ناقص قلمی نسخہ "دار الکتب المصریۃ" میں موجود ہے، البتہ علامہ نور الدین ہیثمی (۸۰۷ھ) نے اس کتاب کو حروف تہجی پر مرتب کیا ہے، ان کی کتاب کا نام ہے "ترتیب کتاب الثقات" اس کا قلمی نسخہ مکمل دو جلدوں میں "دار الکتب المصریۃ" میں موجود ہے اور اب دس جلدوں میں طبع ہو چکی ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ابن حبان نے اپنی کتاب میں تساہل سے کام لیا ہے، مگر علامہ سیوطی نے اس کی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ ابن حبان کی خاص اصطلاح ہے کہ وہ حدیث حسن کو بھی صحیح کہتے ہیں، لا مشاحۃ فی

الاصطلاح[1]، حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنی کتاب "تہذیب التہذیب" میں کتاب الثقات سے بہت استفادہ و نقل کیا ہے۔

(۸) الکامل فی معرفۃ ضعفاء المحدثین وعلل الحدیث:

از حافظ کبیر ابو احمد عبداللہ بن محمد بن عدی جرجانی (المتوفی ۳۶۵ھ) انھوں نے اپنی کتاب میں ہر اس راوی کا ذکر کیا ہے جس پر کسی محدث نے کلام کیا ہے خواہ وہ رجال صحیحین ہی کے کیوں نہ ہوں، البتہ یہ اپنے موضوع پر جامع اور اہم کتاب قرار دی گئی ہے۔ علماء متاخرین نے بکثرت اس سے نقل و استفادہ کیا ہے۔ اس لئے "میزان الاعتدال" وغیرہ میں کسی ثقہ راوی پر ابن عدی کی جرح کو دیکھ کر فیصلے میں عجلت نہ کرنی چاہئے بلکہ مزید تحقیق و تفتیش کی ضرورت ہے، اس کتاب کا ناقص نسخہ ـــــ "دار الکتب المصریہ" میں موجود ہے مگر اب یہ کتاب بھی طبع ہو چکی۔ علامہ کوثری نے ابن عدی کی اس کتاب میں ایک نقد لکھا ہے جس کا نام رکھا ہے "ابداء وجوہ التعدی فی کامل ابن عدی"۔

(۹) المدخل:

از امام حاکم ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ نیشاپوری (المولود ۳۲۱ھ المتوفی ۴۰۵ھ) مصنف نے کتاب کے ایک حصہ میں مجروحین رواۃ پر تفصیلی کلام کیا ہے۔ ۱۹۳۲ء میں حلب سے طبع ہو چکی ہے۔

(۱۰) کتاب الضعفاء المتروکین۔ او اسماء الضعفاء الواضعین:

از ابو الفرج عبد الرحمن بن علی: ابن الجوزی (المولود ۵۱۰ھ المتوفی ۵۹۷ھ) مصنف

---

[1] تدریب ص ۱۱۹

نے اپنی کتاب میں ان ضعفاء کا ذکر کیا ہے جو وضع حدیث کرتے تھے، یا ان پر ائمہ فن نے جرح کی ہے۔ نیز کتاب کی ترتیب حروف تہجی پر رکھی ہے، اس کا قلمی نسخہ "دار الکتب المصریہ" میں موجود ہے۔

(۱۱) میزان الاعتدال:

از حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی (المولود ۶۷۳ھ المتوفی ۷۴۸ھ) مصنف نے اپنی اس کتاب میں "ابن عدی" کا طریقہ اختیار کیا ہے بلکہ ابن عدی کی کتاب کا خلاصہ درج کر دیا ہے، چنانچہ بہت سے رواۃ کے بارے میں الفاظ جرح نقل کئے ہیں، حالانکہ ان کا شمار ثقات میں ہے اور وہ جرح سے محفوظ ہیں، جیسا کہ کتاب کے مقدمہ میں اس کی صراحت بھی کردی ہے کہ ابن عدی وغیرہ مؤلفین نے بعض ثقات پر معمولی جرح کی ہے، اس کو میں نے بھی اس کتاب میں نقل کیا ہے، مگر میرا مقصد یہ ہے کہ بعد میں مجھ پر استدراک نہ کیا جائے، ورنہ وہ میرے نزدیک ضعیف نہیں ہیں، چنانچہ بہت سی جگہوں پر مصنف نے ابن عدی وغیرہ سے اختلاف کیا ہے اور اپنی مستقل رائے کو بھی بیان کر دیا ہے مگر علامہ موصوف کا محققین، صوفیا، و اولیائے امت پر نقد غیر معتبر ہے جب تک کہ دیگر اعتدال پسند ائمہ نے ان کی تائید نہ کی ہو[۱] اسی طرح میزان الاعتدال کے بعض نسخوں میں امام اعظمؒ کا ذکر آگیا ہے۔ مولانا عبد الرشید نعمانی نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ یہ عبارت الحاقی ہے[۲] مصر سے ۱۳۲۵ھ میں تین جلدوں میں شائع ہوئی تھی اور اب بیروت سے نہایت عمدہ صورت میں شائع ہو چکی ہے، پوری کتاب میں (۱۰۹۰۷) تراجم ہیں۔

---

[۱] الرفع والتکمیل ص۱۲۹

[۲] ماتمس الیہ الحاجۃ ص۲۴

(۱۲) رسالة فی رواة الثقات المتکلم فیھم بما لایوجب ردّھم :

یہ بھی حافظ ذہبی کا ایک رسالہ ہے جو مصر سے ۱۹۰۶ء میں شائع ہوچکا ہے۔

(۱۳) نثل الھمیان فی معیار المیزان :

از سبط ابن العجمی مصنف نے علامہ ذہبی کی میزان الاعتدال پر استدراک کیا ہے اس کا قلمی نسخہ مؤلف ہی کے قلم کا لکھا ہوا "دار الکتب المصریہ" میں موجود ہے۔

(۱۴) الاغتباط بمعرفة فی من رمی بالاختلاط :

(۱۵) التبیین لاسماء المدلسین :

(۱۶) الکشف الحثیث علی من رمی بوضع الحدیث :

یہ تینوں رسالے" برہان الدین ابراہیم بن محمد حلبی سبط ابن العجمی (التوفی ۸۴۱ھ) کے ہیں، پہلے دونوں رسالے حلب سے طبع ہوچکے ہیں۔

(۱۷) لسان المیزان :

از حافظ ابن حجر عسقلانی (المولود ۷۷۳ھ المتوفی ۸۵۲ھ) حافظ ذہبی کی "میزان" کے بہت سے ان رُواۃ کو حذف کردیا ہے جن سے ائمہ ستہ نے روایت کی تخریج کی ہے اور "تہذیب الکمال" میں جن رواۃ کا ذکر ہے، ان کو بھی حذف کردیا ہے اور بقیہ میزان الاعتدال کو کتاب میں شامل کرلیا ہے اور کافی اضافے بھی کیے ہیں، اس میں (۱۴۳۴۳) تراجم ہیں، ہندوستان میں ۱۳۲۹ھ میں "دائرة المعارف" حیدرآباد سے چھ جلدوں میں طبع ہوچکی ہے۔

(۱۸) **طبقات المدلسین:**

یہ بھی حافظ ابن حجر کی کتاب ہے، مصر سے ۱۳۲۲ھ میں طبع ہو چکی ہے۔

(۱۹) **الثقات ممن لم یقع فی الکتب الستۃ:**

از زین الدین قاسم بن قطلوبغا (المولود ۸۰۲ھ المتوفی ۸۷۹ھ) یہ چار جلدوں میں تھی[1]

⑦ کتبُ موضوعاتُ

(۱) **تذکرۃ الموضوعات:**

از ابوالفضل محمد بن طاہر مقدسی (و ۴۴۸ھ م ۵۰۷ھ) مصنف نے حروف تہجی پر اس کو مرتب کیا ہے اور اس میں حدیث موضوع کے علاوہ اس راوی کو ذکر کیا ہے جس کو ائمہ فن نے مجروح قرار دیا ہے۔ مصر سے ۱۳۲۳ھ میں طبع ہو چکی ہے۔

(۲) **الموضوعات فی الاحادیث المرفوعات:**

از ابوعبداللہ حسین بن ابراہیم ہمدانی جوزقی (م ۵۴۳ھ)[2]

(۳) **الموضوعات الکبریٰ:**

از ابوالفرج عبدالرحمٰن بن جوزی (المولود ۵۰۸ھ المتوفی ۵۹۷ھ) یہ چار

---

[1] و [2] الرسالۃ المستطرفۃ ص ۱۱۱ و ص ۱۱۳

جلدوں میں تھی، اس کی دوسری اور چوتھی جلد کا قلمی نسخہ "دارالکتب المصریہ" میں موجود ہے۔ اس میں مصنف نے مختلف کتابوں سے حدیثوں کو جمع کیا ہے اور ان کا موضوع ہونا بیان کیا ہے، بالخصوص الکامل لابن عدی، الضعفاء لابن حبان والعقیلی والازدی اور تفسیر ابن مردویہ، طبرانی کی تینوں معاجم، خطیب بغدادی اور ابونعیم وغیرہ کی تصنیفات سے جمع کیا ہے، مگر علامہ موصوف نے بہت سی حدیثوں کے وضع کے فیصلے میں تشدد سے کام لیا ہے،

علامہ ابن جوزی نے اپنی کتاب میں بہت سی ایسی احادیث کو موضوع کہہ دیا ہے، جن کے موضوع ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ فی الواقع وہ ضعیف ہیں، علامہ ذہبی کی رائے ہے کہ ابن جوزی نے بہت سی قوی وحسن روایات کو بھی کتاب الموضوعات میں داخل کر دیا ہے[1] شیخ الاسلام حافظ ابن حجر نے فرمایا ہے کہ ابن جوزی کا نقدِ روایات میں تشدّد اور حاکم کے تساہل نے ان دونوں کی کتابوں کے نفع کو مشکل بنا دیا ہے، اس لئے کہ ان دونوں کی کتابوں کی ہر حدیث میں تساہل کا امکان ہے، پس ناقل کو ان دونوں سے نقل میں احتیاط کی ضرورت ہے، مجرد ان دونوں کی تقلید مناسب نہیں[2]

علامہ سیوطی نے اپنی کتاب " القول الحسن فی الذب عن السنن " میں ان سب کا جواب دیا ہے، جامع ترمذی اور دیگر صحاح وغیرہ پر علامہ ابن جوزی کے اعتراضات وجوابات معلوم کرنے کے لئے " التعقبات علی الموضوعات " (جو چھپ چکی ہے) کا مطالعہ ضروری ہے۔

(۴) **المغنی عن الحفظ والکتاب بقولھم لم یصح شئ فی ھذا الباب :**

از حافظ ضیاء الدین ابوحفص عمر بن بدر موصلی حنفی (المتوفی ۶۲۳ھ) قاہرہ میں چھپ چکی ہے۔

---

[1] لامع الدراری ص۳۳ [2] التعقبات علی الموضوعات ص۱

(۵) تحذیر الخواص من اکاذیب القصاص :

از حافظ جلال الدین سیوطی (المتوفی ۹۱۱ھ) مصنف نے اپنی کتاب کے نویں فصل میں زین الدین عبد الرحیم عراقی المتوفی ۸۰۶ھ کی کتاب "الباعث علی الخلاص عن حوادث القصاص" کی تلخیص کی ہے اور دسویں فصل میں اس پر استدراک کیا ہے، مصر سے ۱۳۵۱ھ میں یہ کتاب بھی چھپ چکی ہے ۔

(۶) اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ :

از حافظ جلال الدین سیوطیؒ مصنف نے ابن جوزی کی کتاب "الموضوعات" کا اختصار کیا ہے اور اس پر استدراک کیا ہے اور اضافے بھی کئے ہیں۔ مصر سے ۱۳۱۷ھ میں دو جلدوں میں طبع ہو چکی ہے ۔

(۷) ذیل اللآلی المصنوعۃ :

(۸) النکت البدیعات :

(۹) التعقبات علی الموضوعات :

یہ تینوں کتابیں علامہ سیوطیؒ کی ہیں، اور ہندوستان میں طبع ہو چکی ہیں ۔

(۱۰) تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ عن الاخبار الشنیعۃ الموضوعۃ :

از ابو الحسن علی بن محمد (ابن عراق) کنانی (المتوفی ۹۶۳ھ) یہ نہایت جامع ومفید کتاب ہے۔ حافظ سیوطیؒ کی "اللآلی" پر اضافہ واستدراک بھی کیا ہے، مصر سے ۱۳۷۵ھ میں دو جلدوں میں طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے ۔

(۱۱) **تذکرۃ الموضوعات،**

(۱۲) **قانون الاخبار الموضوعۃ والرجال الضعفاء:**

از جمال الدین محمد بن طاہر بن علی پٹنی (المتوفی ۹۸۶ھ) یہ دونوں رسالے ایک ساتھ قاہرہ سے ایک جلد میں طبع ہو چکے ہیں۔

(۱۳) **الفوائد المجموعۃ فی احادیث الموضوعۃ:**

از قاضی ابو عبداللہ محمد بن علی شوکانی (المولود ۱۱۷۳ھ المتوفی ۱۲۵۵ھ) سلف کی کتابوں سے مصنف نے استفادہ کیا ہے، مگر بعض روایتوں کے وضع کے فیصلے میں تشدد سے کام لیا ہے، مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے اپنی کتاب "ظفر الامانی" میں اس پر نقد کیا ہے، مصر سے یہ کتاب ۱۳۸۰ھ (۱۹۶۰ء) میں چھپ چکی ہے۔

(۱۴) **تحذیر المسلمین فی الاحادیث الموضوعۃ علی سید المرسلینؐ:**

از عبداللہ محمد بشیر ظافر مالکی ۱۳۲۵ھ، اس میں مصنف نے ان روایتوں کو ذکر کیا ہے جو لوگوں کی زبانوں پر مشہور ہو گئی ہیں اور حروف تہجی پر اس کو مرتب کیا ہے، مقدمہ کتاب میں کتب موضوعات کا تعارف بھی کرایا ہے، مصر سے ۱۳۲۱ھ (۱۹۰۳ء) میں چھپ چکی ہے۔

(۱۵) **الموضوعات الکبیر:**

از ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) میں ہندوستان میں طبع ہو چکی ہے۔

(۱۶) **رسالۃ للامام الصنعانی:**

(۱۷) **اللؤلؤ المرصوع فیما لا اصل لہ او باصلہ موضوع،**

للشیخ محمد بن ابی المحاسن الحسنی۔ یہ رسالہ اوپر والے رسالہ کے ساتھ چھپ چکا ہے۔

(۱۸) **الاحادیث المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ:**

از مولانا عبد الحیؒ لکھنوی المتوفی ۱۳۰۴ھ عرصہ ہوا لکھنؤ سے طبع ہو چکی ہے۔

نوٹ: علماء کی بہت سی ایسی بھی تالیفات ہیں جن میں ان روایات کو جمع کیا گیا ہے جو لوگوں میں مشہور ہو گئی ہیں، اسی طرح ان کا مقام و درجہ، قوی ہیں یا ضعیف یا موضوع، ان باتوں کو بھی ان کتابوں میں بیان کیا گیا ہے، ان کتابوں میں خصوصیت سے حافظ سخاوی کی المقاصد الحسنۃ زیادہ اہم ہے۔

(۱) **المقاصد الحسنۃ فی بیان کثیر من الاحادیث المشتہرۃ علی الالسنۃ:**

از حافظ محمد بن عبد الرحمٰن سخاوی (المولود ۸۳۱ھ المتوفی ۹۰۲ھ) اس کو مصنف نے حروف تہجی پر مرتب کیا ہے جس طرح کی ابواب پر ترتیب دی ہے، نہایت عمدہ و مفید کتاب ہے، ۱۹۵۶ء میں مصر سے اور ہندوستان و بغداد سے شائع ہو چکی ہے۔

ہم نے کتب اسماء الرجال و جرح و تعدیل کے تعارف میں اختصار و اجمال سے کام لیا ہے، بہرحال اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں نے اپنے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات کو محفوظ رکھنے کے لئے کیا غیر معمولی کوششیں صرف کی ہیں۔ بس اسی پر اس رسالہ کو ختم کرتا ہوں۔

حق تعالیٰ شانہٗ سے دعا ہے کہ وہ اس حقیر کوششوں کو قبول فرمائے اور اس ناکارہ کی سیئات کو درگذر فرما کر حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت و

اتباع کی دولت سے نوازے، اور اس کتاب کو حیات جاوداں عطا فرما کر مزید حدیث پاک کی خدمت کا موقع عطا فرمائے، وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ۝ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

خادم الحدیث النبوی

تقی الدین ندوی مظاہری

روز دوشنبہ ۱۲؍ربیع الاول ۱۳۸۸ھ ہجری

کتاب کے اہم مراجع ومصادر

۱۔ اختصار علوم الحدیث، حافظ ابن کثیر

۲۔ الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ: حافظ محمد بن عبد الرحمن سخاوی

۳۔ الاعتدال فی مراتب الرجال، حضرت الاستاذ مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۴۔ الاجوبۃ الفاضلۃ للاسئلۃ العشرۃ الکاملۃ مع تعلیق عبد الفتاح ابوغدہ } از مولانا ابو الحسنات عبد الحیؒ لکھنوی (م ۱۳۰۴ھ)

۵۔ الأعلام، از خیر الدین زرکلی

۶۔ البدایۃ والنہایۃ، ابو الفداء عماد الدین اسمٰعیل بن کثیر

۷۔ الباعث الحثیث شرح اختصار علوم الحدیث: از حافظ ابن کثیر

۸۔ تدریب الراوی، حافظ جلال الدین سیوطیؒ

۹۔ تذکرۃ الحفاظ، حافظ شمس الدین ذہبی

۱۰۔ تہذیب التہذیب، حافظ ابن حجر عسقلانی

۱۱۔ توجیہ النظر الی اصول الاثر، شیخ طاہر جزائری

۱۲۔ تدوین حدیث، مولانا مناظر احسن گیلانیؒ

۱۳۔ التعقبات علی الموضوعات، حافظ سیوطی

۱۴۔ تقدمة المعرفة لکتاب الجرح والتعدیل، عبدالرحمن بن ابی حاتم رازی۔
۱۵۔ تذکرۃ الموضوعات، ملا علی قاری
۱۶۔ تحفة الکملة علی تحفة الطلبة، مولانا عبدالحی لکھنوی
۱۷۔ توضیح الافکار لمعانی تنقیح الانظار، محمد بن اسماعیل امیر صنعانی
۱۸۔ جامع ترمذی، از امام ترمذی
۱۹۔ جامع بیان العلم وفضله، حافظ ابن عبدالبر مالکی
۲۰۔ الجرح والتعدیل، ابن ابی حاتم۔
۲۱۔ خطبات مدراس، علامہ سید سلیمان ندوی
۲۲۔ سنن ابن ماجه، امام ابن ماجه
۲۳۔ صحیح بخاری، امام محمد بن اسمعیل بخاری
۲۴۔ صحیح مسلم، امام مسلم بن حجاج۔
۲۵۔ سنن دارمی،
۲۶۔ السنة قبل التدوین، محمد عجاج خطیب
۲۷۔ سیر اعلام النبلاء، علامہ ذہبی
۲۸۔ السنة ومکانتها فی التشریع الاسلامی، ڈاکٹر مصطفےٰ سباعی مرحوم
۲۹۔ شرح الفیة الحدیث، حافظ عراقی
۳۰۔ شرح نخبة، حافظ ابن حجر عسقلانی
۳۱۔ شمائل ترمذی، امام ترمذی
۳۲۔ ریاض الصالحین، علامہ نووی
۳۳۔ الرفع والتکمیل (مع تعلیق عبدالفتاح ابوغدہ) مولانا عبدالحی لکھنویؒ
۳۴۔ الرسالة المستطرفة، ابوجعفر کتانی
۳۵۔ ظفر الامانی: مولانا عبدالحی لکھنویؒ
۳۶۔ الطبقات الشافعیة الکبریٰ، علامہ تاج الدین سبکی

۳۷۔ الطبقات الکبریٰ: ابن سعد
۳۸۔ عین الاصابة فیما استدرکته عائشة علی الصحابة، للسیوطی۔
۳۹۔ فتح الباری بشرح صحیح البخاری، حافظ ابن حجر عسقلانی
۴۰۔ فتح الملہم، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ
۴۱۔ فتح المغیث بشرح الفیة الحدیث: حافظ سخاوی
۴۲۔ فواتح الرحموت، مولانا عبد العلی بحر العلوم
۴۳۔ الفرق بین الفرق، عبد القاہر بن محمد بغدادی
۴۴۔ الکفایة فی علم الروایة، خطیب بغدادی
۴۵۔ کشف الظنون، علامہ چلپی
۴۶۔ کتاب العلل، امام ترمذی
۴۷۔ قواعد التحدیث، علامہ جمال الدین قاسمی
۴۸۔ القول المسدد فی الذب عن المسند، حافظ ابن حجر عسقلانی
۴۹۔ لسان المیزان، حافظ ابن حجر عسقلانی
۵۰۔ لامع الدراری شرح بخاری، از حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ
۵۱۔ مفتاح الجنة، جلال الدین سیوطی
۵۲۔ مسند امام احمد؛
۵۳۔ ہدی الساری مقدمة فتح الباری، حافظ ابن حجر عسقلانی
۵۴۔ معرفة علوم الحدیث، حاکم ابو عبد اللہ نیشاپوری
۵۵۔ المنتقی فی منہاج الاعتدال، حافظ ابن تیمیہ
{حافظ ذہبی نے منہاج السنہ کا اختصار کیا ہے}
۵۶۔ مصادر الشعر الجاہلی، دکتور صارم الدین اسد
۵۷۔ مناقب احمد: علامہ ابن جوزی
۵۸۔ مقدمة تحفة الاحوذی: مولانا عبد الرحمٰن مبارک پوری

۵۹۔ میزان الاعتدال، علامہ ذہبی

۶۰۔ علوم الحدیث، مقدمہ ابن صلاح

۶۱۔ مقدمہ اوجز المسالک، حضرت الاستاذ مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۶۲۔ ماتمس الیہ الحاجۃ لمن یطالع سنن ابن ماجۃ، مولانا عبدالرشید نعمانی

۶۳۔ مقدمۃ زھر الربیٰ علی المجتبیٰ، حافظ جلال الدین سیوطی

۶۴۔ معجم المصنفین، عمر رضا کحالہ،

۶۵۔ نتائج الافکار، امیر یمانی

۶۶۔ الیواقیت والجواھر، شیخ عبدالوہاب شعرانی

مُصنِّف

اور اسکی اہم مصنفات

1. الامام البخاری (عربی) دمشق
2. الامام ابوداؤد المحدث الفقیہ "
3. الامام مالک ومکانتہ کتابہ الموطاء ابوظبی
4. علم رجال الحدیث القاہرہ
5. کتاب الزہد الکبیر للامام البیہقی (تحقیق وتعلیق) کویت ، ابوظبی
6. اعلام المحدثین بالہند (عربی) ابوظبی
7. دراسۃ الکتب السیرۃ القدیمۃ ومصادرہا الاولیٰ دوحہ ، قطر
8. تحقیق حواشی "بذل المجہود فی حل ابی داؤد" ۲۰ جلدوں میں القاہرہ
9. لمحۃ عن تعریف اہم مراجع السنۃ (عربی) ابوظبی
10. تحقیق وتعلیق "التعلیق الممجد" از علامہ عبدالحی لکنوی ۳ جلدوں میں (عربی) بیروت
11. تحقیق وتعلیق "ظفر الامانی فی شرح مختصر الجرجانی" از علامہ لکنوی (عربی) بیروت
12. تحقیق وتعلیق "اوجز المسالک" حضرت شیخ الحدیثؒ ۱۶ جلدوں میں (زیر طبع)
13. محدثین عظام اور انکے علمی کارنامے (اردو) لکھنؤ ، کراچی
14. فن اسماء الرجال لکھنؤ
15. صحبتے با اولیاء (یعنی حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہٗ کے ملفوظات) (اردو) لکھنؤ ، کراچی
16. چاند کی تسخیر (اردو ، انگریزی) گجرات
17. اسباب زلزلہ (گجراتی زبان میں)
18. مستشرقین اور علم حدیث معارف اعظم گڈھ

ان کے علاوہ دیگر مقالات ورسالے ہیں جنکا ذکر اختصار کے پیش نظر حذف کیا جارہا ہے